مقالات

امام محمد بن الحسن الشیبانیؒ

از جناب مولانا ڈاکٹر عبدالحلیم چشتی صاحب ٭

امام محمد فقیہ عراق، صاحب ابی حنیفہؒ، مدون و ناشر مذہب حنفی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت جامع صفات تھی۔ امام موصوف اصلاً "حرستا" غوطہ دمشق کے تھے، واسط میں پیدا ہوئے، کوفہ میں تربیت پائی۔

وہ دو مجتہدین مطلق امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی "کتاب الآثار" اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی "الموطا" کے نہایت قوی و معتبر راوی اور ناشر ہیں۔

ائمۂ مجتہدین سے استفادہ و تلمذ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کو مذاہب اربعہ کے دو نہایت جلیل القدر و عظیم الشان: مقبول و مقتدائے انام، امام اعظم ابو حنیفہؒ (۸۰-۱۵۰ھ-۶۹۹-۷۶۷ء)، امیر المومنین فی الحدیث: امام مالکؒ (۹۳-۱۷۹ھ/۷۱۲-۷۹۵ء) اور مذاہب مندرسہ (جن کے پیرو اور متبع اب دنیا میں باقی نہیں رہے) کے دو لائق اتباع امام ۱- امیر المومنین فی الحدیث[1] سفیان ثوری (۹۷-۱۶۱ھ/۷۱۶-۷۷۸ء) صاحب کتاب الجامع، مجتہد مطلق سے (جن کے مذہب پہ سرزمین عراق

---

[1] عبدالرحمٰن ابن ابی حاتم الرازی۔ تقدمۃ المعرفۃ لکتاب الجرح والتعدیل۔ حیدرآباد دکن، مجلس دائرۃ المعارف العثمانیہ ۱۳۷۱ھ ج ۹ ص ۱۱۸۔ ترجمہ سفیان الثوری۔

٭ جامعۃ العلوم الاسلامیہ، کراچی، پاکستان۔

میں عمل کیا جاتا تھا اور امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اہل کوفہ میں ان کے مذہب کو "جامع الترمذی" میں جگہ جگہ نقل کرتے ہیں)، اور (۲) شیخ الاسلام[1] فقیہ شام و مجتہد مطلق، امام ابو عمرو عبدالرحمٰن اوزاعی (۸۸-۱۵۷ھ/۷۰۷-۷۷۴ء، جن کا مذہب عرصہ تک شام میں قابل اتباع رہا ہے) سے روایت و استفادہ کا فخر حاصل ہے، ان تینوں موخر الذکر مجتہدین مطلق کے متعلق علامہ ابن ابراہیم کا بیان ہے:

اذا اجتمع الثوری و مالک والاوزاعی	سفیان ثوری، امام مالک اور اوزاعی اگر
علی امر فهو سنة وان لم یکن	کسی بات پر اتفاق کریں تو وہ سنت ہے
فیہ نص[2]	اگرچہ اس میں نص (حکم صریح) موجود نہ ہو۔

رجال کے نامور عالم حافظ عبدالرحمٰن مہدی (۱۳۵-۱۹۸ھ) ان ائمہ فن کے متعلق فرماتے تھے۔

ائمة الناس فی زمانهم اربعة:	لوگوں کے اپنے زمانے میں امام چار ہیں،
سفیان الثوری بالکوفة و مالک	سفیان ثوری کوفہ میں، مالک حجاز میں، حماد
بالحجاز و حماد بن زید بالبصرة	بن زید بصرہ میں اور اوزاعی شام میں۔
والاوزاعی بالشام[3]	

اصول دین سے روایت

سنن و آثار کا بنیادی ذخیرہ جن ائمہ فن اور نامور حفاظ حدیث کے پاس محفوظ تھا، امام محمد کو ان سے راست روایت کا فخر حاصل ہے اور یہاں یہ امر بھی ملحوظ خاطر رہے کہ جس نے ان سے استفادہ نہیں کیا اسے حدیث میں مفلس اور کنگال سمجھا جاتا تھا۔ چنانچہ امام حافظ عثمان بن

---

[1] محمد بن احمد الذہبی، سیر اعلام النبلاء تحقیق شعیب الارناؤط۔ بیروت: موسستہ الرسالہ، ۱۴۰۲ھ، ج ۷۔ ص ۱۰۷۔ تذکرۃ الحفاظ، حیدرآباد دکن، مطبعۃ مجلس دائرۃ المعارف العثمانیہ۔ ۱۳۷۵ھ، ج ۱، ص ۱۷۸ [2] تذکرۃ الحفاظ۔ ج ۱، ص ۲۰۹ [3] کتاب الجرح والتعدیل۔ ج ۱، ص ۲۱۱۔ ترجمہ مالک بن انس۔

سعید دارمی المتوفی ۲۸۰ھ فرماتے تھے:

یقال: من لم یجمع حدیث هؤلاء	کہا جاتا ہے کہ جس نے ان پانچ (ائمہ فن)
الخمسة فهو مفلس فی الحدیث:	کی حدیثیں جمع نہیں کیں، وہ حدیث میں
سفیان و شعبة و مالک و حماد بن	کنگال ہے (اس کے پاس حدیث کا ذخیرہ
زید و ابن عیینة وهم اصول	نہیں، حدیث پر اس کی نظر نہیں)، وہ
الدین[1]	۱۔ سفیان، ۲۔ شعبہ، ۳۔ امام مالک (یہ
	تین امیر المومنین فی الحدیث ہیں) ۴۔ حماد
	بن زید (۹۸-۱۷۹ھ/۷۱۷-۷۹۵ء) اور
	۵۔ سفیان بن عیینہ (۱۰۷-۱۹۸ھ =
	۷۲۵-۸۱۴ء) ہیں، یہ سب امام محمد کے
	شیوخ اور ان کے ہم عصر ہیں۔

امام محمدؒ نے ان مذکورہ بالا پانچ ائمہ سے کتاب الحجۃ علی اهل المدینۃ میں راست روایت کی ہیں، چنانچہ سفیان ثوریؒ سے (ج ۱ ص ۱۰) شعبہؒ سے (ج ۱ ص ۲۵۲) مالکؒ سے (ج ۱ ص ۴۳) حماد بن زید سے (ج ۳ ص ۴۶۷) اور سفیان بن عیینہ سے (ج ۱ ص ۳۰۱ طبع لاہور) میں روایتیں موجود ہیں۔

اسانید حجاز و کوفہ

اسانید حجاز و کوفہ جن چھ اساطین علم و حفاظ حدیث میں دائر سائر رہی ہیں، سفیان ثوریؒ ان کے علوم کے جامع تھے۔ چنانچہ امام بخاری کے استاد حافظ علی بن المدینیؒ المتوفی ۲۳۴ھ فرماتے تھے:

---

[1] عثمان ابن الصلاح۔ مقدمہ ابن الصلاح و محاسن الاصطلاح تحقیق عائشہ عبدالرحمٰن ط: ۲۔ القاہرہ دار المعارف ۱۴۱۱ھ/۱۹۹۰ء ص ۴۳۴ (النوع الثامن والعشرون)

نظرت[1] فاذا الاسانید تدور علی ستة، الزهری وعمرو بن دینار وقتادة ویحییٰ بن کثیر وابو اسحاق والاعمش ثم صار علم هولاء الستة من اهل الکوفة الی سفیان الثوری۔

"میں نے اسانید کو غور سے دیکھا تو انہیں چھ ائمہ فن حفاظ میں دائر سائر پایا۔ (۱) امام حافظ ابوبکر محمد بن مسلم بن شہاب الزہری (۵۸ - ۱۲۴ھ = ۶۷۸ - ۷۴۲ء) (۲) عمرو بن دینار مکی (۴۶ - ۱۲۶ھ = ۶۶۶ - ۷۴۳ء) (۳) ابو الخطاب قتادہ بن دعامہ بصری (۶۱ - ۱۱۸ھ = ۶۸۰ - ۷۳۶ء) (۴) یحییٰ بن ابی کثیر یمامی (.... - ۱۲۹ھ = ... - ۷۴۷ء) (۵) ابو اسحاق عمرو بن عبداللہ ہمدانی (۳۳ - ۱۲۷ھ = ۶۵۳ - ۷۴۵ء) (۶) ابو محمد سلیمان بن مہران اعمش کوفی (۶۱ - ۱۴۸ھ = ۶۸۱ - ۷۶۵ء)

ان سب کا علم اہل کوفہ میں امیر المومنین فی الحدیث سفیان ثوریؒ (۹۷ - ۱۶۱ھ = ۷۱۶ - ۷۷۸ء) میں سمٹ آیا تھا۔"

حافظ ذہبی المتوفی ۷۴۸ھ نے "تذکرۃ الحفاظ" میں حافظ ابن المدینی کا قول نقل کرکے لکھا ہے:

"ثقات کا علم حجاز میں زہری اور عمرو بن دینار میں اور بصرہ میں قتادہ، یحییٰ ابن ابی کثیر میں اور کوفہ میں ابو اسحاق السبیعی اور اعمش میں دائر و سائر تھا یعنی صحاح کی بیشتر حدیثیں

[1] کتاب الجرح والتعدیل۔ ص ۱۱ و ۵۹۔ ... حسن بن عبدالرحمٰن الرامہرمزی المحدث الفاصل بین الراوی والواعی تحقیق محمد عجاج الخطیب ط: ۳۔ بیروت، دار الفکر، ۱۴۰۴ھ = ۱۹۸۴ء ص ۶۱۴۔ احمد بن علی الخطیب البغدادی، تاریخ بغداد۔ بیروت دار الکتب العلمیة، ج ۱۴، ص ۱۷۹۔ یوسف المزی۔ تہذیب الکمال فی اسماء الرجال، بیروت، دار المامون للتراث ۱۴۰۲ھ ۱۹۸۲ء ج ۱ ص ۱۵۴ (ترجمہ سلیمان الاعمش)

[2] تذکرۃ الحفاظ، ج ۱ ص ۱۱ و ۳۷۰ (ترجمہ محمد بن شہاب الزہری ویحییٰ بن آدم)

مذکورہ بالا چھ حفاظ کی سند سے باہر نہیں ہیں۔"

ان میں سے ہر ایک کی فن حدیث میں امتیازی شان اور روایات کی تعداد کی طرف امام ابو داؤد طیالسیؒ المتوفی ۲۰۴ھ نے اہل علم کی رہنمائی ان الفاظ میں کی ہے:

کان قتادة اعلمهم بالاختلاف، والزهری اعلمهم بالاسناد، وابو اسحاق اعلمهم بحدیث علی وابن مسعود، وکان عند الاعمش عن کل هذا، ولم یکن عند واحد من هولاء الا الفین الفین[1]

ان مذکورہ بالا چھ ائمہ فن میں قتادہ اختلافِ الفاظ کے زیادہ بڑے عالم تھے، زہری اسناد کے زیادہ شناساں تھے، ابو اسحاق کو حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت کا زیادہ علم تھا اور اعمشؒ کے پاس یہ سب کچھ موجود تھا اور ان میں سے ہر ایک کے پاس دو ہزار حدیثوں کا ذخیرہ موجود تھا۔

یاد رہے کہ ان چھ اساطینِ علم میں سے پانچ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شیوخ حدیث میں سے ہیں، حافظ ابو الحجاج جمال الدین مزی المتوفی ۷۴۲ھ نے "تہذیب الکمال" میں امام ابو حنیفہ کے تذکرہ ج ۳، ص ۵۸۴ میں عمرو بن دینار، محمد بن مسلم زہری، ابو اسحاق السبیعی کا ذکر ان کے شیوخ میں کیا ہے اور سلیمان بن اعمش سے "جامع المسانید" (ج ۱ ص ۳۲۵ و ۳۵۴) میں روایت بصراحت موجود ہے۔ قتادہؒ سے ج ۲ ص ۳۲۵ میں روایت منقول ہے۔

ان اساطین علم میں ابو اسحاق اور اعمش دونوں کوفی ہیں، اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ کوفہ میں حدیث کا علم زیادہ فراواں تھا۔

[1] سیر الاعلام النبلاء، ج ۵، ص ۴۰۱۔

یہاں یہ نکتہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ مذکورۂ بالا ائمہ حدیث کا علم بقول علی بن مدینی مندرجۂ ذیل بارہ ائمہ فن مصنفین میں دائر سائر رہا، چنانچہ قاضی حسن بن عبدالرحمٰن الرامہرمزی (تقریباً ۲۶۰-۳۶۰ھ) فرماتے ہیں:

"۱- مدینہ میں مالک بن انس اصبحی (۹۳-۱۷۹ھ = ۷۱۲-۷۹۵ء) محمد بن اسحاق بن یسار المدنی (۰۰-۱۵۱ھ = ۰۰-۷۶۸ء)

۲- مکہ میں عبدالملک بن عبدالعزیز بن جریج (۸۰-۱۵۰ھ = ۶۹۹-۷۶۷ء) اور سفیان بن عیینہ الکوفی (۱۰۷-۱۹۸ھ = ۷۲۵-۸۱۴ء)

۳- بصرہ میں سعید بن ابی عروبہ (۰۰-۱۵۶ھ = ۰۰-۷۷۳ء) حماد بن سلمہ (۰۰-۱۶۷ھ = ۰۰-۷۸۴ء) ابوعوانہ الوضاح بن خالد (۰۰-۱۷۶ھ = ۰۰-۷۹۲ء) شعبہ بن الحجاج (۸۲-۱۶۰ھ = ۷۰۱-۷۷۶ء)

۴- یمن میں معمر بن راشد (۹۵-۱۵۳ھ = ۷۱۳-۷۷۰ء)

۵- کوفہ میں سفیان بن سعید ثوری کوفی (۹۷-۱۶۱ھ = ۷۱۶-۷۷۸ء)

۶- شام میں عبدالرحمٰن بن عمرو اوزاعی (۸۸-۱۵۷ھ = ۷۰۷-۷۷۴ء)

۷- واسط میں ہشیم بن بشیر (۱۰۴-۱۸۳ھ = ۷۲۲-۷۹۹ء) میں پھیلا، ان کی مجموعی تعداد بارہ ہے۔"

پھر علی بن مدینی نے فرمایا "مذکورۂ بالا چھ اور بارہ ائمہ فن کا علم - ۱- یحییٰ بن سعید القطان (۱۲۰-۱۹۸ھ = ۷۳۷-۸۱۳ء) ۲- یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدہ (۱۱۹-۱۸۲ھ = ۷۳۷-۷۹۸ء) ۳- وکیع بن الجراح بن ملیح (۱۲۹-۱۹۷ھ = ۷۴۶-۸۱۲ء) ۴- عبداللہ بن المبارک مروزی (۱۱۸-۱۸۱ھ = ۷۳۴-۷۹۷ء) ۵- عبدالرحمٰن بن مہدی لولوی (۱۳۵-۱۹۸ھ = ۷۵۲-۸۱۴ء) ۶- یحییٰ بن آدم الکوفی

الاحول المتوفی (۰۰-۲۰۳ھ = ۸۱۸ء) میں اس کی انتہا ہوئی۔

اور علی ابن المدینی کے علاوہ جو اہلِ درایت و علم روایت کے نکتہ داں ہیں ان کا قول یہ ہے کہ ان سب کا علم ایک شخص میں جمع ہو گیا تھا اور وہ یحییٰ بن معین ہیں، لیکن اہل علم نے موصوف سے فائدہ نہیں اٹھایا۔[1]

ذرا غور فرمائیں ان میں یحییٰ بن سعید القطان بصری، یحییٰ بن زکریا کوفی، عبداللہ بن المبارک مروزی اور وکیع بن الجراح محدث عراق کوفی چاروں حنفی اور امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد ہیں اور یحییٰ بن معین امام محمد کے نامور شاگردوں میں ہیں، انہوں نے امام موصوف سے الجامع الصغیر نقل کی ہے۔[2]

امام شافعی کے سب سے بڑے شیخ

امام محمد ائمہ اربعہ میں سے تیسرے امام محمد بن ادریس شافعیؒ، (۱۵۰-۲۰۴ھ = ۷۶۷-۸۲۰ء) کے شیوخ میں سب سے بڑے شیخ ہیں۔[3] اس لئے کہ جتنی مدت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے استفادہ کیا کسی اور سے نہیں کیا۔ مورخ ذہبی المتوفی ۷۴۸ھ نے امام محمدؒ کے شاگردوں میں ان کو سب سے زیادہ فقیہ قرار دیا ہے۔[4]

اسلامی دنیا کے اہم علمی مرکز حجاز عراق اور شام کے جامع اور ناقد

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کو یہ فخر حاصل ہے کہ وہ اسلامی دنیا کے تین اہم علمی مرکز حجاز، عراق اور شام کے علوم کے جامع، ناقد و محقق، حافظ حدیث، فقیہ، مجتہد، مقتدائے انام، امام اور نہایت ثقہ راوی ہیں،[5] چنانچہ

[1] المحدث الفاصل - ۲۶۰ - تاریخ بغداد ۱۴ ص ۱۷۸-۱۷۹ [2] ایضاً ج ۲ - ۱۷۶ [3] تاریخ بغداد ج ۲ ص ۱۷۶ [4] سیر اعلام النبلاء - ج ۹ ص ۱۳۵، (اخذ عنہ الشافعی فاکثر جدا) امام الشافعیؒ نے موصوف سے علم حاصل کیا اور بہت زیادہ حاصل کیا [5] ایضاً ج ۵ ص ۲۳۶ (افقہ اصحاب محمد ابو عبداللہ الشافعی رحمہم اللہ - ترجمہ حماد بن ابی سلیمان)

مورخ ابن سعد المتوفی ۲۳۰ھ نے "الطبقات الکبریٰ" میں موصوف کا تذکرہ جن الفاظ میں کیا ہے وہ ان کے حافظ حدیث ہونے کی صریح دلیل ہے، وہ لکھتے ہیں:

نشأ بالکوفۃ، وطلب الحدیث،	موصوف نے کوفہ میں نشوونما پائی اور
وسمع سماعاً کثیراً من مسعر	حدیث کی تحصیل کی، مسعر، مالک بن مغول،
ومالک بن مغول، وعمر بن ذر	عمر بن ذر، سفیان ثوری، اوزاعی، ابن جریج
وسفیان الثوری، والاوزاعی،	مسحل ضبی، بکر بن ماعز، ابوحرۃ اور عیسیٰ
وابن جریج ومسحل الضبی،	خیاط وغیرہ سے حدیثوں کا بکثرت سماع
وبکر بن ماعز، وابی حرۃ و	کیا۔ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت اختیار
عیسی الخیاط، وغیرھم وجالس	کی، ان سے حدیثوں کا سماع کیا اور اہل الرای
اباحنیفۃ، وسمع منہ، ونظر	کے مذہب میں غور وفکر کیا تو یہی موصوف
فی الرأی فغلب علیہ، وعرف بہ	پر غالب رہا، اس سے ان کی شہرت ہوئی
ونفذ فیہ، وقدم بغداد،	اور یہی ان کے افکار کی جولانگاہ رہی،
فنزلھا، واختلف الیہ الناس	بغداد آئے، یہیں فروکش ہوئے اہل علم
وسمعوا منہ الحدیث والرأی[1]۔	اور طلبہ کی ان کے پاس آمد ورفت رہی،
	انھوں نے موصوف سے حدیث کا سماع
	کیا اور فقہ کی تعلیم پائی۔

یہاں یہ امر بھی ملحوظ خاطر رہنا چاہئے کہ مورخ واقدی المتوفی ۲۰۷ھ علمائے عراق کے مخالف اور ان سے منحرف تھے چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ "ھدی الساری مقدمہ فتح الباری" میں رقم طراز ہیں:

ابن سعد یقلد الواقدی علی	ابن سعد، مورخ واقدی کی تقلید کرتا ہے،
طریقۃ اھل المدینۃ فی	واقدی اہل عراق سے انحراف میں اہل مدینہ
الانحراف علی اھل العراق،	کی روش پر گامزن ہے، اس بات کو ذہن
فاعلم ذالک ترشد ان شاء	میں رکھو، ان شاء اللہ یہ بات تمہاری رہنمائی
اللہ[1]	کرتی رہے گی۔

بایں ہمہ انحراف مورخ ابن سعد المتوفی ۲۳۰ھ سطور بالا میں اس حقیقت کا اعتراف کئے بغیر نہ رہ سکا۔

طلب الحدیث وسمع سماعاً	۱۔ موصوف نے حدیث کی تحصیل کی۔
کثیراً.... واختلف الیہ الناس	۲۔ بہت زیادہ حدیثوں کا سماع کیا۔
وسمعوا منہ الحدیث[2]	۳۔ تحصیل علم کی خاطر اہل علم ان کی
	خدمت میں حاضر ہوئے۔
	۴۔ ان سے حدیثوں کا سماع کیا۔

حدیث کی طلب و کثرت، اس سے وابستگی و شغف، تحصیل حدیث کے لئے طلبہ و اہل علم کی ان کے یہاں آمد و رفت، ان کے حافظ ہونے کی دلیل ہے، چنانچہ میرزا معتمد خاں محمد بن رستم بدخشی نے "تراجم الحفاظ" میں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا شمار حفاظ حدیث میں کیا ہے[3]۔

---

[1] محمد بن سعد، الطبقات الکبریٰ، بیروت دار صادر، ب، ت، ج، ص ۳۳۶، تاریخ بغداد، ج ۲ ص ۱۷۲۔

[1] احمد بن علی بن حجر العسقلانی۔ ھدی الساری مقدمہ فتح الباری۔ القاھرۃ ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ، ۱۳۴۷ھ ج ۲ ص ۱۴۴ [2] الطبقات الکبریٰ ج، ص ۳۳۶، تاریخ بغداد۔ ج ۲ ص ۱۷۲ [3] محمد بن رستم البدخشی تراجم الحفاظ المستخرج من کتاب الانساب للسمعانی، (عکس مخطوط) ورق ۲۱، راقم الحروف نے اس کتاب پر تحقیقی کام کیا ہے۔

حدیث میں امام محمدؒ کے سند و حجت ہونے کی دلیل اور ثقات حفاظ میں ان کا شمار

امام محمدؒ کے حدیث میں حجت و سند ہونے کی اس سے بڑھ کر کیا دلیل ہو سکتی ہے کہ مجتہد مطلق امام محمد بن ادریس الشافعی المتوفی ۲۰۴ھ نے ان سے حدیث میں حجت پکڑی ہے چنانچہ مورخ اسلام علامہ حافظ شمس الدین الذہبی الشافعی المتوفی ۷۴۸ھ "مناقب الامام ابی حنیفۃ وصاحبیہ" میں رقم طراز ہیں:

اما الشافعی رحمہ اللہ فاحتج بمحمد ابن الحسن فی الحدیث[1]

لیکن امام الشافعی رحمۃ اللہ تو موصوف نے حدیث میں امام محمد ابن الحسنؒ سے حجت و سند پکڑی ہے۔

امام الذہبی المتوفی ۷۴۸ھ اور امام بخاریؒ المتوفی ۲۵۶ھ کے استاد امام حافظ علی بن المدینی المتوفی ۲۳۴ھ سے امام محمدؒ کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا!

" وہ صدوق ہیں ہمیشہ سچ بولنے والے ہیں "[2]

حافظ ابوالحسن الدارقطنی المتوفی ۳۸۵ھ "غرائب کتاب مالک" میں الرفع عند الرکوع کی حدیث پر بحث کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

حدثنا به عشرون نفرا من الثقات الحفاظ منہم محمد بن الحسن الشیبانی یحیی بن سعید القطان وعبد اللہ ابن المبارکؒ وعبد الرحمن بن مہدیؒ وابن وہب وغیرہم[1]

اس حدیث کو بیس ثقات حفاظ نے بیان کیا ہے ان میں محمد بن الحسن الشیبانیؒ یحییٰ بن سعید القطان، عبد اللہ بن المبارک، عبد الرحمن بن مہدی اور ابن وہب وغیرہ ہیں۔

اس میں امام محمدؒ کا نام سر فہرست ہے۔

موطا امام مالک کی موطا امام محمد سے شہرت

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے امام مالکؒ کی مرویات کے ساتھ اختلاف کی صورت میں موطا میں اپنی سند سے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک ان کے اقوال اور دوسرے شیوخ کی سند سے حدیثیں پیش کی ہیں اس سے ان کا مذہب اور دلیل دونوں معلوم ہو جاتے ہیں اس بنا پر اسے موطا امام محمد سے شہرت حاصل ہے۔

استاذ شاگرد امام مالکؒ اور امام محمدؒ دونوں کا تعلق خیر القرون سے ہے دونوں تبع تابعی اور قرین و ہمسر ہیں[2]

حاکم نیشاپوری المتوفی ۴۰۵ھ "معرفۃ علوم الحدیث" میں حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی حدیث:

خیر الناس القرن الذی بعثت فیہم ثم الذین یلونہم ثم الذین یلونہم الخ[3]

بہترین لوگ وہ ہیں جو اس زمانے میں موجود ہیں جس میں اللہ تعالیٰ نے مجھے بھیجا، پھر وہ لوگ ہیں جو اس سے ملحق ہیں (یعنی تابعین)

---

[1] مناقب الامام ابی حنیفۃ وصاحبیہ، ص ۵۹ [2] ابن حجر العسقلانی۔ تعجیل المنفعۃ

[1] مناقب الامام ابی حنیفہ وصاحبیہ، ص ۵۸-۵۹ (تعلیقات الکوثری) محمد بن زاہد بن الحسن الکوثری۔ تانیب الخطیب علی ما ساقہ فی ترجمہ ابی حنیفہ من الاکاذیب مصر مطبعۃ تجلیۃ الانوار ۱۹۴۲ء ص ۱۸۲ .... [2] سیر اعلام النبلاء ج ۸ ص ۵۲ [3] محمد بن عبد اللہ الحاکم النیشاپوری کتاب معرفۃ علوم الحدیث، تحقیق محسن منعم حسین۔ القاہرۃ۔ مطبعۃ دار الکتب المصریہ، ۱۳۷۰ھ۔ ص ۴۳۔

پھر وہ ہیں جو ان کے بعد آنے والے ہیں۔

(یعنی تبع تابعین)

پر روشنی ڈالتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"قال الحاکم: فهذه صفة اتباع التابعين اذ جعلهم النبي صلى الله عليه وسلم خير الناس بعد الصحابة والتابعين المنتخبين وهم الطبقة الثالثة بعد النبي صلى الله عليه وسلم وفيهم جماعة من ائمة المسلمين وفقهاء الامصار مثل مالك بن انس الاصبحي وعبد الرحمن بن عمرو الاوزاعي وسفيان الثوري وشعبة بن الحجاج العتكي وابن جريج رحمهم بعد ايضاً، فيهم جماعة من تلامذة هؤلاء الائمة الذين ذكرناهم مثل يحيى بن سعيد القطان وقد ادرك اصحاب انس وعبدالله بن المبارك وقد ادرك جماعة من التابعين۔"

حاکم نیشاپوری معرفۃ علوم الحدیث میں فرماتے ہیں:

ومحمد بن الحسن الشيباني ممن	اور محمد بن الحسن (شیبانی) ان علماء میں سے
روى الموطا عن مالك وقد	ہیں جنھوں نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے
ادرك جماعة من التابعين له	موطا روایت کی ہے اور تابعین کی ایک
	جماعت کو پایا ہے۔

حاکم کہتا ہے یہ تبع تابعینؒ کی صفت ہے، جنھیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے برگزیدہ صحابہؓ وتابعینؒ کے بعد سب سے بہتر قرار دیا ہے اور وہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تیسرا طبقہ ہے۔

[1] معرفۃ علوم الحدیث، ص ۴۷۔

تبع تابعین میں مشہور ائمہ مسلمین وفقہائے امصار

تبع تابعین میں مشہور ائمہ مسلمین وفقہائے امصار کی ایک جماعت ہے جیسے امام مالک بن انسؒ اصبحی، عبدالرحمن بن عمرو اوزاعیؒ، سفیان ثوریؒ، شعبہ الحجاج عتکیؒ اور ابن جریجؒ ہیں۔

پھر انہی میں جن کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے ان کے شاگردوں کی ایک جماعت شمار کی جاتی ہے جیسے یحییٰ بن سعید القطانؒ ہیں، انہوں نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور عبداللہ بن المبارک رحمۃ اللہ علیہ کے تلامذہ کو پایا اور تابعین کی ایک جماعت کو پایا ہے اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے تابعین کی ایک جماعت کو پایا اور ان سے اکتسابِ فیض کیا۔

امام محمدؒ کا تابعینؒ کی ایک جماعت سے استفادہ

حاکم رحمۃ اللہ علیہ کے مذکورۂ بالا بیان سے یہ بھی معلوم ہوا کہ امام مالکؒ، اوزاعیؒ، سفیان ثوریؒ، شعبہؒ، ابن جریج رحمۃ اللہ علیہم کا شمار

[1] **عہد تابعین** صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا دور پہلی صدی ہجری کے اختتام پر ختم ہوجاتا ہے، پھر تابعین کا زمانہ شروع ہوتا اور ان کا زمانہ ۱۸۰ھ پر ختم ہوتا ہے۔ اس لئے کہ آخری تابعی خلف بن خلیفہؒ کا انتقال ۱۸۰ھ میں ہوا ہے۔ چنانچہ قاضی القضاۃ علامہ صالح بن عمر ابن ارسلان البلقینی المتوفی ۸۶۸ھ کا بیان ہے:

اول التابعين موتا ابو زيد معمر بن زيد، قتل بخراسان۔

وقيل: باذربيجان سنة ثلاثين، وآخره موتا خلف بن خليفة سنة ثمانين ومائة

(السیوطی۔ تدریب الراوی۔ ج ۲ ص ۲۳۳)

تابعین میں سب سے پہلے ابوزید معمر بن زید کی شہادت ۳۰ھ میں خراسان یا آذربائیجان میں ہوئی اور تابعین میں آخری وفات پانے والے خلف بن خلیفہ ہیں۔ ان کا انتقال ۱۸۰ھ میں ہوا ہے۔

گویا یہ سال تابعین کے عہد کا آخری سال ہے۔

تبع تابعین میں ہے اور محمد بن الحسن شیبانی رحمۃ اللہ علیہ نے تابعین کی ایک جماعت کو پایا اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے موطا کی روایت کرنے والوں میں ان کا شمار ہے، فقہاء امصار امام مالکؒ، اوزاعیؒ، سفیان ثوریؒ، ابن جریجؒ وغیرہ سے علوم کی تحصیل کی نیز ائمہ و فقہاء امصار و تابعین سے بھی بہرہ مند ہونے کا انہیں فخر حاصل ہے۔

روات مالکؒ میں امام محمدؒ کا مقام

راویان مالک میں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ متعدد وجوہ سے برتری و فضیلت رکھتے ہیں۔

(۱) امام مالکؒ سے پوری موطا کا زبانی سُننا۔ رواۃِ مالک میں وہ تنہا ایسے راوی ہیں۔ جنہیں تین سال کی طویل مدت میں جمعہ کی خصوصی مجلس میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی زبان مبارک سے پوری موطا سُننے کی سعادت حاصل ہے، اس لئے کہ جمعہ کی مجلس میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ خود پڑھتے اور شاگرد سُنتے تھے[۱]

(۲) رواۃ مالکؒ میں وہ سب سے بڑھ کر فقیہ ہیں۔

(۳) رواۃ مالکؒ میں ایسا راوی مشکل سے ملے گا جس نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی زبانِ مبارک سے پوری موطا کا سماع کیا ہو۔

(۴) موطا امام مالکؒ کے نسخوں میں یحییٰ بن یحییٰ اللیثی المتوفی ۲۳۴ھ کے نسخہ کو شہرت حاصل ہے مگر اس میں اوہام ہیں[۲] اور امام محمد کے نسخہ میں اوہام نہیں ہیں جو امام محمدؒ کے حفظ و اتقان اور ثقاہت

---

[۱] حافظ الدین محمد المعروف ابن البزاز الکردی۔ مناقب الامام الاعظم۔ کوئٹہ، مکتبہ اسلامیہ، ب ت۔ ج ۲ ص ۱۴۰۔ یوسف بن عبد البر۔ الانتقاء فی فضائل الائمۃ الثلاثۃ الفقہاء، القاہرہ، مکتبۃ القدسی ۱۹۳۰ء ص ۲۵۔ سیر اعلام النبلاء ۱۹۳ء ص ۲۵۔ ج ۸ ص ۷۵، مناقب الامام ابی حنیفۃ وصاحبیہ۔ ص ۵۲ [۲] عبد الرحمٰن السیوطی۔ تنویر الحوالک علی موطاء مالک مصر، عبد الحمید احمد حنفی۔ ۱۳۵۳ھ۔ ج ۱ ص ۱۵۔

کی نہایت روشن دلیل ہے۔

(۵) رواۃ مالکؒ میں امام محمدؒ نہایت قوی، معتبر اور ثقہ راوی ہیں۔ چنانچہ مورخ اسلام علامہ شمس الدین ذہبیؒ المتوفی ۷۴۸ھ "میزان الاعتدال" میں لکھتے ہیں:

کان من بحور العلم والفقہ	موصوف علم اور فقہ کے سمندروں میں سے
قویاً فی مالک[۱]	تھے اور مالک رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرنے والوں میں قوی تھے۔

حافظ ذہبی کے مذکورہ بالا بیان سے حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کو اتفاق نہیں، اس لئے موصوف نے "تعجیل المنفعۃ" میں اس پر تنقید کی ہے[۲]

(۶) موطا امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نسخہ میں بعض ایسی حدیثیں موجود ہیں جو موطا کے دوسرے نسخوں میں نہیں[۳]

(۷) روایت موطا میں ایک امام مجتہد و فقیہ عراق محمد بن الحسن شیبانی، دوسرے امام مجتہد مستقل و فقیہ مدینہ امام مالکؒ سے راوی ہیں اس لئے معارضہ کی صورت میں اصول حدیث کی رو سے امام محمدؒ کی روایت کو ترجیح ہوگی۔

امام محمد کی امام مالک اور دیگر محدثین حجاز سے روایت

یہی وجہ ہے کہ امام محمدؒ جب عراق (بغداد) میں امام مالکؒ اور حجاز کے دوسرے حفاظ محدثین سے روایت کرتے تو ان کی حویلی طلبہ سے بھر جاتی تھی، امام ابن تیمیہ المتوفی ۷۲۸ھ فرماتے ہیں:

وکان محمد بن الحسن اذا حدث	امام محمد عراق میں جب امام مالکؒ اور

---

[۱] الذہبی۔ میزان الاعتدال فی نقد الرجال۔ سانگلہ ہل۔ شیخوپورہ۔ المکتبۃ الاثریۃ ۱۳۸۲ھ، ج ۳ ص ۵۱۳۔ ترجمہ ۷۳۴۳ [۲] تعجیل المنفعۃ۔ ص ۱۴۰ [۳] تنویر الحوالک ج ۱ ص ۱۰۔

بالعراق عن مالک والحجاز یلین	حجازی محدثین وحفاظ سے حدیث بیان
وتمتلی دارہ [1]	کرتے ان کا مکان طلبہ سے بھر جاتا تھا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام محمدؒ امام مالکؒ کی روایات میں قوی نہ تھے بلکہ دوسرے حجازی علما و محدثین کی روایت میں بھی قوی تھے اور ان کی روایات کے بھی حافظ تھے، اس لئے ان کے مکان میں طلبہ کا ٹھٹ لگا رہتا تھا۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ عراق میں امام مالک سے روایت کرنے والے کم تھے، عراقی محدثین سے روایت کرنے والے عراق میں ہر جگہ پائے جاتے تھے اس لئے امام محمدؒ جب عراقی محدثین سے روایت بیان کرتے تو طلبہ ان کے درس میں زیادہ نہیں ہوتے تھے۔

فقیہ کی روایت کی ترجیح

یہ اصول امام ابو حنیفہؒ کے شاگرد محدث عراق امام وکیعؒ کی سند سے اصول حدیث کی کتابوں کی زینت بنا۔ چنانچہ حاکم نیشاپوری "معرفۃ علوم الحدیث" میں بسند متصل امام وکیعؒ سے نقل کرتے ہیں:

قال لنا وکیع ای الاسناد احب	وکیع رحمۃ اللہ علیہ نے ہم سے پوچھا تمہاری نظر
الیکم الاعمش عن ابی وائل	میں ان دو سندوں میں اعمشؒ از ابو وائل از عبداللہؓ
عن عبداللہ؟ او سفیان عن	یا سفیان از منصور از ابراہیم از علقمہ از عبداللہؓ
منصور عن ابراھیم عن علقمۃ	میں کون سی سند زیادہ پسندیدہ و معتبر ہے؟ ہم نے
عن عبداللہ؟ قلنا: الاعمش	عرض کیا اعمش از ابو وائل زیادہ دل کو بھاتی
عن ابی وائل فقال: سبحان اللہ!	ہے تو وکیع بولے سبحان اللہ! اعمش شیخ ہیں ابو وائل
الاعمش شیخ، وابو وائل شیخ،	شیخ ہیں اور سفیان فقیہ ہیں، منصور فقیہ ہیں،
وسفیان فقیہ، ومنصور فقیہ،	ابراہیم فقیہ ہیں، علقمہ فقیہ ہیں اور وہ حدیث جو

[1] مجموع فتاوی، شیخ الاسلام ابن تیمیہ۔ ج ۲، ص ۳۰۸۔

وابراھیم فقیہ، وعلقمۃ	فقہاء میں متداول و قبول ہوا ور ان کی
فقیہ، وحدیث یتداولہ	سند سے آئے وہ اس روایت سے جسے
الفقھاء خیر من ان یتداولہ	شیوخ کے یہاں تداول و قبول حاصل ہو
الشیوخ [1]	اور شیوخ کی سند سے آئے زیادہ بہتر ہوتی ہے۔

یہاں شیوخ حدیث کی سند عالی ہے اس لئے کہ اس میں واسطے کم ہیں اور فقہاء کی سند نازل ہے اس لئے کہ اس میں واسطے زیادہ ہیں پھر بھی اسے ترجیح دی جارہی ہے، وجہ ترجیح یہ ہے کہ حدیث و اثر پر فقیہ کی نظر احکام سے متعلق امور پر زیادہ رہتی ہے اور محدث و شیخ کی نظر سند و بیان روایت پر مبذول ہوتی ہے۔ فقہی باتوں پر نہیں ہوتی [2]۔

پھر یہ بھی حقیقت ہے کہ فقیہ اگر ایسی روایت سنتا ہے جسے اس کے ظاہری معنی پر قائم رکھنا ٹھیک نہیں ہوتا تو وہ اس پر غور کرتا اور اس حقیقت کو پالیتا ہے جس سے وہ اشکال جاتا رہتا ہے [3]۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے موطا پڑھی لیکن ان کا نسخہ نہ محفوظ ہے نہ منقول، حیرت ہے کہ ارباب صحاح ستہ بھی اپنی کتابوں میں "الشافعی عن مالک"

[1] معرفۃ العلوم الحدیث۔ ص ۱۱-۱۲۔ الخطیب البغدادی۔ کتاب الکفایۃ فی علوم الروایۃ۔ حیدر آباد دکن، مطبعۃ مجلس دائرۃ المعارف العثمانیۃ، ۱۳۵۷ھ۔ ص ۴۳۶۔ تہذیب الکمال۔ ج ۱ ص ۵۔ مقدمۃ ابن الصلاح۔ ص ۴۴۳۔ عبدالرحمن السیوطی۔ تدریب الراوی فی شرح تقریب النواوی۔ تحقیق عبدالوہاب۔ عبداللطیف۔ المدینۃ المنورۃ، المکتبۃ العلمیۃ، ۱۳۷۹ھ ص ۳۶۸۔ سیر اعلام النبلاء۔ ج ۱۲۔ ص ۳۲۸-۳۲۹۔ [2] الکفایۃ ص ۴۳۶۔ [3] تدریب الراوی۔ ص ۳۸۹۔

روایت نقل نہیں کرتے۔[1]

کتاب الآثار بروایت محمد کی وجہ ترجیح

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ جو صاحب ابی حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے لقب سے ممتاز ہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرنے میں زیادہ معتبر و زیادہ قوی ہیں، کتاب الآثار کی ہر روایت میں "محمد قال اخبرنا ابوحنیفۃ" موجود ہے، اس میں ظاہر ہے دو مجتہد فقیہ ایسے آگئے ہیں جس نے ہر روایت کو قوی تر بنا دیا ہے۔

کتاب الآثار کی تدوین اور اس کے رواۃ کا خیر القرون سے تعلق

یہ ایک حقیقت ہے کہ کتاب الآثار کی تدوین خیر القرون میں عمل میں آئی ہے۔

(۱) اس میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سندوں سے روایتیں نقل کی ہیں وہ تابعی ہیں زبردست حافظ حدیث ہیں، فن رجال کے امام ہیں، مجتہد مطلق اور صاحب مذہب ہیں۔

(۲) امام ابوحنیفہ جن سے روایتیں اور آثار نقل کئے ہیں وہ بالاتفاق تابعی ہیں۔

(۳) یا وہ اکابر تابعین میں سے ہیں۔

(۴) اور موصوف کبھی راست صحابی سے روایت کرتے ہیں۔

(۵) یا اپنے معاصرین سے روایت نقل کرتے ہیں۔

(۶) ظاہر ہے کتاب الآثار کے تمام راویوں کا تعلق خیر القرون سے ہے۔

---

[1] بحمد اللہ اس عاجز نے اپنی نگرانی میں جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی قسم التخصص فی علوم الحدیث میں ایک انڈونیشی طالب علم لطفی بن محمد یوسف الشافعی (اللہ تعالیٰ اس کی عمر دراز کرے اور مزید کام کرنے کی توفیق بخشے) سے عنوان "ما رواہ الشافعی عن مالک" پر ۱۹۹۹ء میں تحقیقی مقالہ لکھوا کر اس علمی خلاء کو جو اب تک باقی تھا پُر کرایا ہے جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی نے اس تحقیقی کارنامہ پر اسے تخصص فی علوم الحدیث کی سند سے سرفراز کیا دعا ہے کہ یہ جلد چھپ جائے اور اس کا فیض عام ہو، وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ۔

(۷) وہ سب ثقہ ہیں۔

(۸) ان میں بہت سے حفاظ اور فقہائے امصار ہیں۔

تابعین کے دور میں ایسا راوی مشکل سے ملے گا جس پر انگلی اٹھائی جائے اس کے دو سبب ہیں۔

اولاً: حفاظ و محدثین ایسے راوی سے روایت ہی نہیں لیتے۔

ثانیاً: ائمہ جرح و تعدیل نے ایسے راویوں کی نشان دہی کی ہے اور کتاب الآثار ان باتوں سے بالاتر ہے۔

معمول بہا روایات و آثار مجتہدین صحابہ و تابعین کی آراء و فتاوی کا قدیم و معتبر ذخیرہ۔ کتاب الآثار

(۱) رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کا (۲) معمول بہا روایات و آثار کا ذخیرہ ہے۔

معمول بہا احادیث و آثار سے وہ روایات اور اخبار احاد مراد ہیں جن پر سب مجتہدین نے عمل کیا ہو یا بعض نے کیا ہو، چنانچہ علامہ ابواسحاق شیرازی المتوفی ۴۷۶ھ فرماتے ہیں:

"خبر واحد جسے امت نے قبول کیا اس کی صداقت یقینی ہے خواہ اس پر سب نے عمل کیا ہو، یا بعض نے عمل کیا ہو اور بعض نے اس کی تاویل کی ہو، اس قسم کی اخبار احاد عمل کو ضروری قرار دیتی ہیں اور ان سے علم استدلالی حاصل ہوتا ہے۔"[1]

(۳) مجتہدین صحابہؓ کے اقوال و آراء کا (۴) کبار و خیار تابعین مجتہدین کی آراء و فتوؤں کا قدیم ترین و معتبر ترین ذخیرہ کتاب الآثار ہے۔

کتاب الآثار، موطا اور شرح معانی الآثار کا مقام

شیخ تقی الدین ابوعمرو ابن الصلاح شافعی المتوفی ۶۴۳ھ نے کتب مسانید اور کتب مصنفات (وہ کتابیں جن کی فقہی ابواب پر ترتیب

---

[1] ابراہیم بن علی الشیرازی کتاب اللمع فی اصول الفقہ۔ مصر مصطفی البابی الحلبی ۱۳۵۸ھ ص ۲۹۔

پائی جاتی ہے) سے احتجاج واستدلال میں فرق ملحوظ رکھا ہے، وہ اپنی مشہور تصنیف "مقدمہ ابن الصلاح" میں رقم طراز ہیں:

كتب المسانيد غير ملتحقة بالكتب الخمسة التي هي: الصحيحان، وسنن ابي داؤد، وسنن النسائي، وجامع الترمذي، وماجري مجراها الاحتجاج بها، والركون الى ما يورد فيها مطلقاً: كمسند ابي داؤد الطيالسي، ومسند عبد الله بن موسى، ومسند احمد بن حنبل، ومسند اسحاق بن راهوية، ومسند عبد بن حميد، ومسند الدارمي، ومسند ابي يعلى الموصلي، ومسند ابي الحسن بن سفيان، ومسند البزار ابي بكر واشباهها فهذه عادتهم فيها ان يخرجوا في مسند كل صحابي ما رووه من حديثه غير متقيدين بان يكون حديثا محتجا به فلهذا تأخرت مرتبتها وان جلت لجلالة مولفيها عن مرتبة الكتب الخمسة وما التحق بها من الكتب المصنفة على الابواب. والله اعلم[1]

کتب مسانید، کتب خمسہ: (۱ و ۲) صحیحین (۳) سنن ابو داؤد (۴) سنن نسائی (۵) جامع ترمذی کے ہم پایہ نہیں اور وہ کتابیں جو احتجاج میں ان کے قائم مقام ہیں اور جن کی بیان کردہ روایتوں کی طرف بھی علما کا ویسا ہی میلان ہے جیسا کہ ان کی روایات کی طرف ہے، کتب مسانید جیسے مسند ابی داؤد طیالسی، مسند عبید اللہ بن موسیٰ، مسند احمد بن حنبل، مسند اسحاق بن راہویہ، مسند عبد بن حمید، مسند دارمی، مسند ابی یعلی موصلی، مسند حسن بن سفیان، مسند بزار ابوبکر اور انہی جیسی مسندیں، تو اہل مسانید کی یہ عادت ہے کہ وہ ہر صحابی کی مسند میں اس کی جتنی حدیثیں ملتی ہیں ان کی تخریج کرتے ہیں، اس امر کا لحاظ کئے بغیر کہ وہ روایت قابل احتجاج ہے یا نہیں؟ اس وجہ سے ان مسانید کا مرتبہ اگرچہ ان کے مصنفین کی جلالت قدر کی بنا پر بلند ہے کتب خمسہ اور ان کتابوں سے جو کتب خمسہ کی طرح ابواب فقہ پر مرتب ہیں فروتر ہوگیا ہے۔ واللہ اعلم۔

امام طحاوی کی شرح معانی الآثار، امام اعظم ابو حنیفہؒ کی کتاب الآثار اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب الموطاء وغیرہ جو ابواب فقہ پر مرتب ہیں وہ اس زمرے میں داخل ہو جاتی ہیں۔

کتاب الآثار میں معاصرین سے روایتیں موجود ہیں، ان میں تبع تابعی بھی ہیں، ان کا تعلق خیر القرون سے ہے انہیں بھی ثقات میں شمار کیا جاتا ہے۔ چنانچہ ائمہ فن نے اصول حدیث کی کتابوں میں تبع تابعین کو عام طور پر ثقات کے زمرے میں شمار کیا ہے، حاکم نیشاپوری کتاب "معرفۃ علوم الحدیث" میں "اصح الاسانید" کی بحث میں لکھتے ہیں:

ان هولاء الائمة الحفاظ قد ذكر كل ما ادى اليه اجتهاده في اصح الاسانيد ولكل صحابي رواة من التابعين ولهم اتباع واكثرهم ثقات فلا يمكن ان يقطع الحكم في اصح الاسانيد[2]

بلاشبہ ان ائمہ حفاظ حدیث کا کسی ایک سند کو زیادہ صحیح قرار دینا اس اجتہاد کا ثمرہ ہے، جس کی طرف اس نے اپنے اجتہاد سے رہنمائی پائی ہے اور ہر صحابی کے تابعین میں سے بعض راوی ہیں اور تابعین سے تبع تابعین روایات کے ناقل ہیں، تبع تابعین اکثر ثقات و قابل اعتماد راوی ہیں اس لئے ممکن نہیں کہ "اصح الاسانید" میں کسی ایک روایت کے متعلق

---

[1] مقدمہ ابن صلاح، ص ۱۸۳-۱۸۴ [2] معرفۃ العلوم الحدیث، ص ۵۴-۵۵۔

اصح ہونے کا حتمی حکم لگایا جائے۔

حدیث کو صحیح اور حسن وغیرہ کہنا حاکم نیشاپوری کے مذکورہ بالا بیان سے یہ حقیقت عیاں ہوگئی کہ ائمہ فن کو اس امر کا اعتراف ہے کہ کسی حدیث پر اصح، صحیح اور حسن وغیرہ کا حکم لگانا ایک اجتہادی بات ہے اور یہ ایسی بات ہے جیسی فقہا کی بات ہے کہ یہ امر مباح، یہ مستحب، یہ واجب اور یہ فرض ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ جس طرح فقہ کا تمام تر ذخیرہ اجتہاد کا ثمرہ ہے اسی طرح سنن و آثار کا تمام سرمایہ اصح، صحیح، حسن وضعیف وغیرہ کے اعتبار سے ائمہ فن حفاظ حدیث کے اجتہاد کا نتیجہ ہے اور جس طرح ائمہ اربعہ کے پیروکاروں کو تقلید ائمہ کے بغیر چارہ نہیں اسی طرح دنیا بھر کے اہل حدیث کو ائمہ فن حفاظ حدیث کی تقلید سے مفر نہیں۔ ان مذکورہ بالا تاریخی حقائق کی روشنی میں کسی کا یہ کہنا کہ ہم کسی کی تقلید نہیں کرتے، کیا حقائق کے خلاف نہیں ؟

حاکم کے بیان سے یہ حقیقت بھی واضح ہوئی کہ ائمہ فن کا جب کسی ایک سند کے اصح ہونے پر اتفاق نہیں ہوسکا تو بھلا حدیث کی کسی کتاب کے اصح ہونے کا دعویٰ کیونکر قابل قبول ہوسکتا ہے وہ بھی متاخرین کے دور میں ؟

ثقات کی تدلیس مراسیل کو قبول کرنے سے انکار کیا معنی رکھتا ہے ؟ ائمہ فن نے تصریح کی ہے کہ ثقہ کی تدلیس قابل قبول ہے چنانچہ ابن حبان نے اس کی مثالوں میں کبار تابعین کی مراسیل کو پیش کیا ہے، حافظ جلال الدین سیوطی "تدریب الراوی" میں فرماتے ہیں:

ثم مثل ذالك بمراسيل كبار التابعين	پھر ابن حبان نے اس کی مثال کبار تابعین
فانهم لا يرسلون الا عن صحابي	کی مراسیل سے پیش کی کہ وہ صحابی سے ارسال
سبقه الی ذالك ابوبكر البزار	کرتے ہیں چنانچہ یہی بات اس سے پہلے

وابو الفتح الازدی وعبارة البزار	ابوبکر بزار اور ابوالفتح ازدی نے کہی ہے،
من كان يدلس عن الثقات كان	بزار رحمہ اللہ کی عبارت یہ ہے "من کان
تدليسه عند اهل العلم مقبولا[1]	یدلس عن الثقات الخ جو کوئی ثقات سے
	تدلیس کرتا ہے اس کی تدلیس اہل علم کے
	یہاں مقبول ہے۔

امام ابوداؤد سجستانی المتوفی ۲۷۵ھ "رسالة الی اهل مكة فی وصف سننه" میں لکھتے ہیں:

اما المراسيل فقد كان يحتج	لیکن مراسیل سے علمائے سلف نے استدلال
بها العلماء فيما مضى مثل سفيان	کیا جیسے سفیان ثوریؒ، امام مالکؒ اوزاعیؒ
الثوری ومالك والاوزاعی حتى	یہاں تک کہ امام شافعیؒ آئے اور انہوں نے
جاء الشافعی فتكلم فيه وتابعه	اس میں کلام کیا اور امام احمد بن حنبل وغیرہ
على ذالك احمد بن حنبل وغيره[2]	نے ان کی پیروی کی۔

---

[1] تدریب الراوی ۱۳۸۸ھ ص ۲۲۹ [2] ابوداؤد سلیمان بن الاشعث السجستانی۔ رسالة الی اهل مكة فی وصف سننه تحقیق عبدالفتاح ابوغدة۔ حلب المطبوعات الاسلامیہ، ۱۴۱۷ھ ص ۳۲، یہ رسالہ ثلاث رسائل فی علم الحدیث کے ساتھ شایع کیا گیا ہے۔

مقالات

امام محمد بن الحسن الشیبانیؒ

از جناب مولانا ڈاکٹر عبدالحلیم چشتی صاحب ٭

(۲)

مراسیل خیر القرون اصحابہؓ ۲- تابعین وتبع تابعین کے زمانے میں صحابہ اکابر تابعینؒ تبع تابعینؒ ائمہ متبوعینؒ - امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام اوزاعیؒ، مرسل حدیث کو حجت اور قابل استدلال مانتے تھے، ایک جلیل القدر تابعی جس نے سیلنکڑوں صحابہ رضی اللہ عنہم کو دیکھا، سنا بھلا وہ کتنوں کا نام لے کر بیان کرے گا۔

تعجب اس امر پر ہے کہ ایک مجتہد جو تابعی فقیہ اور حجت ہے، اس کے قول پر حلال وحرام میں اعتماد کیا جاتا ہے، ائمہ فن حدیث وآثار ان فقہائے مجتہدین کا مذہب نقل کرنا فرض منصبی سمجھتے ہیں، چنانچہ مصنف عبدالرزاق، مصنف ابن ابی شیبہ اور خاص طور سے جامع الترمذی میں ان فقہائے امصار کا مذہب اور فتوے مذکور ومنقول ہیں اور ان کی رائے اور مذہب کو نقل کرنا جامع الترمذی کے خصائص میں سے شمار کیا جاتا ہے، ایسے فقہائے امصار اگر ارسال کرتے اور سند بیان نہیں کرتے صحابی کا نام نہیں لیتے، ایسے قابل حجت ومستند ائمہ کے قول پر اعتبار واعتماد کرنے سے گریز کیوں کر حق بجانب کہا جاسکتا ہے ؟ یہ تضاد حیرت کا باعث ہے۔ چنانچہ حسن بصریؒ (۲۱-۱۱۰ھ/۶۴۲-۷۲۸ء) جیسے مجتہد جن کے متعلق ابن حزم اندلسی المتوفی ۴۵۶ھ کا بیان ہے:

٭ جامعۃ العلوم الاسلامیہ، کراچی، پاکستان۔

الحسن بن ابی الحسن أدرک خمس مائة من الصحابة [1]	حسن بن ابی الحسن بصریؒ نے پانچ سو صحابہؓ کو پایا ہے۔

ذرا غور فرمائیں وہ روایت بیان کرتے وقت کن کا نام بتائیں۔

یہ بھی کچھ کم تعجب کی بات نہیں کہ ابراہیم نخعیؒ (۴۶ - ۹۶ = ۶۶۶ھ - ۷۱۵ء) ۱- جلیل القدر تابعی، ۲- اپنے زمانے کے سب سے بڑھ کر مجتہد، ۳- صیرفی الحدیث [2] (حدیث کی پرکھ رکھنے والے اور کھرے کھوٹے کو جاننے والے) چنانچہ فقیہ کوفہ ابراہیم نخعی (۴۶ - ۹۶ھ = ۶۶۶ - ۷۱۵ء) کا معمول مرسل روایت کرنا تھا۔ امام ترمذی المتوفی ۲۷۹ھ 'کتاب العلل' میں حضرت اعمش المتوفی ۱۴۸ھ کا جو "امام من ائمة الحدیث" ہیں [3] بیان نقل کرتے ہیں:

"حضرت اعمشؒ فرماتے ہیں میں نے ابراہیم نخعی سے عرض کی: آپ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی سند سے مجھے حدیث بیان فرمائیں تو حضرت ابراہیم نے جواب دیا کہ جب میں تم سے کہوں "حدثتکم (عن رجل) عن عبد اللہ" اس کا مطلب یہ ہے کہ صرف وہ ایک روایت مجھے حضرت عبداللہ کے شاگرد کے واسطے سے پہنچی ہے اور جب میں "قال عبد اللہ" کہوں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ روایت مجھے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے بہت سے شاگردوں کے واسطے سے پہنچی ہے۔" [4]

یاد رہے خیر القرون کے تمام ائمہ فن مرسل روایت سے دلیل پیش کرتے تھے جیسے سفیان ثوریؒ

---

[1] علی بن حزم الاندلسی۔ الاحکام فی اصول الاحکام، مصر۔ مطبعة السعادة، ۱۳۴۵ھ ج ۲ ص ۷۰ [2] معرفة علوم الحدیث ص ۱۶ [3] ایضاً ص ۱۱
[4] محمد بن عیسی الترمذی۔ سنن الترمذی (کتاب العلل)۔ کراچی۔ میر محمد ب' ت' ج ۲ ص ۳۹۵۔ کتاب العلل کے ہندوستانی اور پاکستانی مطبوعہ نسخوں میں مذکورہ بالا عبارت صحیح نہیں چھپی ہے ہم نے دوسری کتابوں سے توسین میں چند الفاظ بڑھا کر عبارت کو درست کیا ہے۔ الطبقات الکبریٰ، ج ۶ ص ۲۷۲۔

مالکؒ اور اوزاعیؒ، تا آنکہ امام شافعیؒ آئے اور انہوں نے اس میں کلام کیا اور احمد بن حنبلؒ وغیرہ نے اس امر میں ان کی پیروی کی، عہد صحابہ، تابعین اور تبع تابعین جس کے خیر و برکت ہونے کی خبر رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے، اس زمانے میں تمام فقہائے امصار و ائمہ حدیث کا مرسل روایت سے حجت پیش کرنے پر اجماع و اتفاق ہے۔ چنانچہ امام ابن جریر طبری المتوفی ۳۱۰ھ کا بیان ہے:

"تمام تابعین کا مراسیل کے قبول کرنے پر اجماع ہے نہ ان میں سے کسی سے اور نہ دو سو برس تک ان کے بعد کے کسی امام سے مراسیل کا انکار مروی ہے، یہ دونوں صدیاں اس مبارک عہد میں داخل ہیں جس کی خیر و برکت کی خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شہادت دی ہے۔" [1]

اب عہد تابعین میں حضرت سعید بن المسیبؒ کی مراسیل کو قابل حجت قرار دینا اور دیگر ائمہ تابعین کی مراسیل کو قبول کرنے سے انکار کرنا کیا اصول انصاف کی صریح خلاف ورزی نہیں ہے؟

چنانچہ امام ابو جعفر طحاوی المتوفی ۳۲۱ھ "شرح معانی الآثار" میں رقم طراز ہیں:

"پس اگر وہ کہتا ہے کہ میں نے سعید بن المسیب (۱۳ - ۹۴ھ = ۶۳۴ - ۷۱۳ء) کی روایت کو اگرچہ وہ منقطع و مرسل ہے قبول کیا، اس لئے کہ ان کی منقطع و مرسل روایت متصل روایت کے قائم مقام ہے تو اس سے پوچھا جائے گا کہ تجھے سعید بن المسیبؒ کی مرسل و منقطع روایت کی تخصیص کا حق کس نے دیا اور ان کے ہم پایہ مدینہ کے اور علماء کی مرسل و منقطع روایت قبول نہ کرنے سے کس نے روکا، جیسے ابو سلمہؒ، (۰۰ - ۱۰۴ھ = ۰۰ - ۷۲۳ء) سالمؒ، (۰۰ - ۱۰۶ھ = ۰۰ - ۷۲۵ء) عروہؒ، (۲۲ - ۹۳ھ = ۶۴۳ - ۷۱۲ء) اور سلیمان بن یسارؒ (۳۴ - ۱۰۷ھ = ۶۵۴ - ۷۲۵ء) ہیں اور شعبیؒ، (۱۹ - ۱۰۳ھ = ۶۴۰ - ۷۲۱ء) اور ابراہیمؒ، (۴۶ - ۹۶ھ = ۶۶۶ - ۷۱۵ء) اور ان کے

---

[1] محمد بن اسماعیل الامیر الیمانی۔ توضیح الافکار لمعانی تنقیح الانظار تحقیق محمد محی الدین عبد الحمید۔ القاهرة مکتبة الخانجی ۱۳۶۶ھ۔ ج ۱ ص ۲۹۱۔

ہمسر کوئی علماء ہیں، حسنؒ (۲۱-۱۱۰ھ = ۶۴۲-۷۲۸ء) اور ابن سیرینؒ (۳۲-۱۱۰ھ =
۶۵۳-۷۲۹ء) موجود ہیں، اللہ کی ان پر رحمت نازل ہو اہلِ بصرہ سے ہیں اور اسی طرح ان کے
زمانے میں جنھیں ہم نے نام بنام ذکر کیا ہے، باقی فقہائے امصار ہیں، اللہ تعالیٰ کی ان پر
رحمت نازل ہو اور وہ جو تابعین کے طبقۂ اولیٰ میں بھی بلند تر ہیں جیسے علقمہؒ (۰۰-۶۲ھ = ۰۰۰-
۶۸۱ء) اسودؒ (۰۰-۷۵ھ = ۰۰-۶۹۴ء) عامر بن شراحیلؒ عبیدہؒ (۰۰-۷۲ھ = ۰۰-۶۹۱ء)
اور شریحؒ (۰۰-۷۸ھ = ۰۰-۶۹۷ء) ہیں، اللہ کی ان پر رحمت نازل ہو اور اگر تمہیں حضرت سعید
بن المسیبؒ کی منقطع و مرسل روایتوں کو مطلقاً متصل کے قائم مقام تسلیم کرنے کا حق حاصل ہے
تو پھر تمہارے سوا دوسروں کو مذکورۂ بالا فقہاء کی منقطع و مرسل روایات کو مطلقاً متصل روایات
کے قائم مقام تسلیم کرنے کا حق بھی حاصل ہے اور اگر انہیں حق حاصل نہیں تو پھر تمہیں بھی اس
قسم کی بات کہنے اور کرنے کا حق نہیں، کیونکہ یہ سراسر ہٹ دھرمی ہے اور اللہ تعالیٰ کے دین میں
کسی کو ہٹ دھرمی کا حکم کرنے کی اجازت نہیں ہے[1]۔

ابوبکر احمد بن علی الجصاص المتوفی ۳۷۰ھ "الفصول فی الاصول" میں رقم طراز ہیں:

"ابوبکر جصاص فرماتے ہیں۔ اور میرے نزدیک صحیح بات یہ ہے اور یہی ہمارے اصحاب احنافؒ کا مذہب
ہے کہ تابعینؒ کی مرسل روایتیں مقبول ہیں جب تک راوی کا غیر ثقہ لوگوں سے روایت کرنا
ثابت نہیں ہوتا، ہم نے جو بات کہی ہے اس کی صحت کی دلیل یہ ہے کہ عہد تابعینؒ و تبع تابعینؒ میں
لوگوں کا ظاہر احوال راست گوئی اور صلاح و تقویٰ تھا، اس پر حدیث رسولؐ "خیر الناس
قرنی" سب سے بہتر لوگ وہ ہیں جن میں مجھے بھیجا گیا ہے، شاہد ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ

[1] احمد بن الطحاوی۔ شرح معانی الاثار، لکھنؤ، مطبع مصطفائی ۱۳۰۰ھ ج ۲، ص ۳۵۳ "باب الرهن
یغلق فی ید المرتهن"۔

فقہاء میں سے جن فقہاء نے اپنی نسبت اس امر آگاہ کیا ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے انہی احادیث
و آثار کا ارسال کرتے ہیں جن کی صحت روایت کا انہیں جزم و یقین ہوتا ہے، چنانچہ اعمشؒ کا بیان
ہے کہ میں نے ابراہیم نخعیؒ سے عرض کی کہ آپ مجھ سے حدیث سند سے کیوں بیان نہیں فرماتے کہ میں
اسے مرفوعاً بیان کروں، انہوں نے فرمایا جب میں تم سے "حدثنی فلان عن عبد اللہؓ" کہوں کہ
فلاں نے مجھ سے بواسطہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کیا تو سمجھو کہ وہی ایک راوی ہے
جس نے مجھ سے وہ حدیث بیان کی ہے اور جب میں تم سے کہوں "قال عبد اللہؓ" تو
سمجھ لو کہ مجھ سے ایک جماعت نے اس روایت کو بواسطہ عبد اللہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم
سے روایت کیا ہے اور حسن بصریؒ سے منقول ہے کہ موصوف نے فرمایا جب میرے پاس صحابہ
رضی اللہ عنہم میں سے چار صحابی ایک روایت بیان کرتے ہیں تو میں حدیث کو مرسل بیان کرتا
ہوں اور اس کی نسبت راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کرتا ہوں، عروہ بن الزبیر
نے حضرت عمر بن عبد العزیزؒ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث "من احیا ارضاً میتة
فھی له" کہ جس نے مردہ زمین کو آباد کیا وہ زمین اسی کی ہے بیان کیا اور اس کی سند بیان نہیں
کی، حضرت عمر ابن عبد العزیزؒ نے ان سے کہا کیا تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اس امر کی گواہی
دیتے ہو؟ کہا جی ہاں مجھ سے یہ حدیث ایک پسندیدہ عادل شخص نے بیان کی ہے لیکن اس راوی کا
نام نہیں بتایا ہے، حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے ان کے اس بیان کو کافی سمجھا، اس حدیث کو
قبول کیا اور اس پر عمل کیا، حضرت سعید بن المسیبؒ اور حضرت حسن بصریؒ وغیرہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث مرسل بیان کرتے تھے اور جب اس کی سند دریافت کی جاتی تو وہ
ثقات تک بتا دیتے تھے، صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مرسل روایتیں نقل کرنے میں
بھی اسی طریقہ پر گامزن تھے"۔ (ص ۵۱۹)

مراسیل کو نظر انداز کرنے سے سنن و آثار کے فقہی احکام کے عظیم ترین ذخیرہ سے ہمیں ہاتھ دھونا پڑے گا جو ہرگز روا نہیں، اس لئے ائمہ مجتہدین میں سے امام مالکؒ، امام اوزاعیؒ و امام سفیان ثوریؒ نے اس پر عمل کو ضروری قرار دیا ہے۔ محقق عبدالعزیز بخاری المتوفی ۷۳۰ھ لکھتے ہیں:

"اور مرسل کو رد کرنے میں بہت سی احادیث و سنن کو بیکار اور ناکارہ بنانا ہے اس لئے کہ مراسیل کو جو احکام سے متعلق ہیں) جمع کی جائیں، تو وہ تقریباً پچاس جزء میں سمائی جائیں گی، یہ ان اہل علم پر طنز ہے جو اپنے آپ کو "اصحاب الحدیث و اہل حدیث" کے نام سے موسوم کرتے اور احادیث کی حفاظت و پاسبانی اور ان پر عمل کرنے کے لئے جمے بیٹھے ہیں پھر انہوں نے ان احادیث و سنن کو رد کیا ہے جو اقسام حدیث میں سب سے زیادہ قوی اور سب سے زیادہ تعداد میں موجود ہیں اس طرز عمل سے تو احادیث و سنن کو ناکارہ کرنا اور اس کے دائرہ کو تنگ سے تنگ تر کرنا ہے، یہ ان کی حفاظت کرنا اور نہ ان کا احاطہ کرنا ہے۔"[۱]

صحابہؓ اور تابعینؒ کی سند میں تدلیس کو روا رکھنے کے اسباب کی نشان دہی کرتے ہوئے امام ابوبکر جصاصؒ "الفصول فی الاصول" میں رقم طراز ہیں:

"صحابہ رضی اللہ عنہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت سی ایسی حدیثیں روایت کی ہیں جن میں رسالت آب صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان رابطہ موجود تھا، انہوں نے صرف قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم کہنے پر اکتفا کیا اس طرح تابعینؒ نے عمل کیا مگر انہیں مدلسین کے نام سے یاد نہیں کیا جاتا، اس کے دو سبب ہیں:

ایک یہ کہ ان کا مقصد سند میں اختصار سے کام لینا اور سامعین سے سند کو قریب تر کرنا تھا۔

دوسرا ان کا مقصد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث کی نسبت کو یقینی بنانا تھا تاکہ یقین ہو جائے

---

[۱] عبدالعزیز البخاری۔ کشف الاسرار ج ۳ ص ۵۔

کہ یہ آپ کا ارشاد ہے اور ان کا مطمح نظر حدیث کو علو اسناد سے آراستہ کرنا تھا اس طرح ہم ان لوگوں کے متعلق کہتے ہیں جو ان کے بعد آئے ہیں ان کا مقصد راوی و مروی عنہ کے مابین واسطہ ساقط کرنے سے یہی دو باتیں مقصود تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہم ان کو مدلس کے نام سے موسوم نہیں کرتے۔

مدلس وہ ہے جو اس واسطہ کو جس سے اس نے حدیث بلاواسطہ سنی ہے سند کو عالی بنانے کی غرض سے ساقط کردے اور اس قسم کی اغراض کی وجہ سے واسطہ ذکر نہ کرے، یہ قصد و ارادہ پسندیدہ نہیں بجز اس کے کہ جس کی نسبت یہ ثابت ہو کہ وہ معتبر و ثقات راویوں سے تدلیس کرتا ہے، اس کی حدیث تو مقبول ہے، اگرچہ وہ "حدثنا" بھی نہ کہے اور جو غیر معتبر راویوں سے تدلیس کرتا ہے اس کی حدیث کا معاملہ ظاہر ہے کہ قابل قبول نہیں تاآنکہ اس امر کی وضاحت نہ ہو جائے کہ اس نے ثقہ سے روایت کی ہے۔" (الفصول فی الاصول ورق ۲۴۲-۲۴۳)

پاک و ہند کے اہل حدیث کا مسلک

ہندوستان اور پاکستان کے اہل حدیث صحیحین کی حدیثوں کے سوا کسی حدیث کو قابل حجت و لائق اعتنا سمجھتے ہی نہیں اس لئے وہ صحیحین میں بھی صحیح بخاری کی روایتوں پر عمل کرتے اور دوسروں سے اس پر عمل کرنے پر اصرار کرتے ہیں حالانکہ۔

(۱) صحیحین میں صحیح حدیثیں بھی ہیں اور حسن بھی ہیں۔

(۲) تمام صحیح حدیثوں کا احاطہ و استیعاب بھی ان میں نہیں کیا گیا[۱]

---

[۱] محمد بن طاہر المقدسی۔ شروط الائمۃ الستۃ، القاہرہ، ۱۳۵۷ھ ص ۱۳۔ محمد بن موسیٰ الحازمی۔ شروط الائمۃ الخمسۃ، ص ۴۹-۵۱۔ مقدمۃ ابن الصلاح ص ۱۶۲۔ یحییٰ بن شرف النووی۔ ارشاد طلاب الحقائق الی معرفۃ سنن خیر الخلائق تحقیق عبدالباری فتح اللہ السلفی۔ المدینۃ المنورۃ مکتبۃ الایمان، ۱۴۰۸ھ ص ۱۱۹۔ ابن حجر التلخیص الجبیر فی تخریج احادیث الرافعی الکبیر دہلی مطبع الفاروقی، ص ۲۔

(۳) یہ فی الجملہ صحیح حدیثوں کا انتخاب ہے[1]

(۴) اس میں بہت زیادہ صحیح حدیثوں کو چھوڑ دیا گیا ہے[2]

(۵) حسن حدیثوں کی تعداد بھی اس میں صحیح حدیثوں سے زیادہ ہے[3]

(۶) بلکہ ہماری تحقیق کے مطابق اس میں مراسیل بھی پائی جاتی ہیں۔

(۷) امام بخاری اور امام مسلم میں سے کسی نے اپنی کتاب کے اصح ہونے کا دعویٰ کیا نہیں۔

صحیحین کی ٹکر کی صحیح حدیثوں کا ذخیرہ حدیث کی دوسری کتابوں میں۔

اس حقیقت کو فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ صحیح حدیثوں کا ذخیرہ حدیث کی دوسری کتابوں میں بھی پھیلا ہوا ہے اور ان میں بھی صحیحین کی ٹکر کی حدیثیں موجود ہیں جنھیں نظر انداز کرنا صحیح حدیثوں کے عظیم تر ذخیرہ سے دست بردار ہونا اور دلائل کے عظیم الشان ذخیرہ سے صرف نظر کرنا اصول انصاف کے تقاضوں کے خلاف اور حقیقت سے انحراف کرنا ہے، چنانچہ حافظ ابن کثیرؒ الشافعی المتوفی ۷۷۴ھ فرماتے ہیں:

"اور تخریجات صحیحین میں جس طرح مفید اضافے اور عمدہ سندیں پائی جاتی ہیں اسی طرح مسند امام احمدؒ میں بہت زیادہ متون و اسانید موجود ہیں جو صحیح مسلم کی حدیثوں کے مقابلے کی ہیں، بلکہ بخاری کی ٹکر کی موجود ہیں، جو صحیحین میں نہیں، یا ان میں سے کسی ایک میں نہیں بلکہ ارباب

[1] شروط الائمۃ الخمسۃ، ص ۱۵۔ ھدی الساری، ج ۱ ص ۴۔ تدریب الراوی ص ۴۶، ۴۴

[2] احمد محمد شاکر، الباعث الحثیث شرح اختصار علوم الحدیث۔ دمشق، دار الفیحاء، ۱۴۱۴ھ ص ۵۳

[3] شروط الائمۃ الخمسۃ، ص ۱۵۔ ھدی الساری، ص ۳۵

[4] الذھبی۔ الموقظۃ فی علم مصطلح الحدیث تحقیق عبد الفتاح ابو غدہ۔ حلب، مکتب المطبوعات الاسلامیۃ، ۱۴۰۵ھ۔ ص ۸۰۔

سنن اربعہ نے بھی ان کی تخریج نہیں کی ہے اور وہ ابوداؤد، ترمذی، نسائی اور سنن ابن ماجہ ہیں اور اسی طرح معجم کبیر، معجم اوسط طبرانی، مسند ابی یعلی و مسند بزار وغیرہ، مسانید و معاجم، فوائد اور اجزاء میں حدیثیں پائی جاتی ہیں جو اس فن میں متبحر عالم کو رجال سند کی حالت پر غور کرنے اور متن و سند کی تعلیل مفسد سے سلامتی کی صورت میں بہت سی حدیثوں کی صحت پر حکم لگانے کی قدرت بخشتا اور اس اقدام عمل کو جائز کرتا ہے اگرچہ اس سے پہلے کسی حافظ حدیث نے شیخ ابوزکریا یحییٰ نوویؒ کی موافقت اور شیخ ابو عمرو بن صلاح کی مخالفت میں اس کی صحت کا حکم نہ لگایا ہو"[1]

حافظ ابن کثیر کے بیان کی تائید شیخ الاسلام سراج الدین بلقینی شافعی المتوفی ۸۶۸ھ "محاسن الاصلاح و تضمین علوم الحدیث لابن الصلاح" میں اس طرح کرتے ہیں:

"اور "مسند امام احمدؒ" میں بہت زیادہ اسانید و متون ایسے پائے جاتے ہیں جو صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں موجود نہیں ہیں اور وہ سنن میں بھی موجود نہیں ہیں۔ سنن چار ہیں، سنن ابی داؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ اور اسی طرح مسند بزار، مسند ابن منیع اور معاجم طبرانی وغیرہ میں حدیثیں اور اسانید موجود ہیں، مسند ابی یعلی اور اجزاء میں پائی جاتی ہیں جسے اس فن میں مہارت و قدرت حاصل ہے وہ بہ نظر صحیح بہت سی حدیثوں قرار دے گا اور اسے صحت کا حکم لگانا جائز ہوگا جیسا کہ گزر چکا ہے"[2]

اس زمانے میں حافظ ابن کثیر کے بیان کی صداقت

محدث احمد شاکر المتوفی ۱۳۷۷ھ نے "الباعث الحثیث" میں حافظ ابن کثیر کے مذکورہ بالا بیان میں صرف "مسند احمد" کے متعلق جس کی جلد اول و جلد ثانی طبع قدیم کی ایک تہائی حدیثوں پر تحقیقی کام کیا، یہ فقرہ لکھا ہے:

" ھذا الکلام جید محقق "۔ ابن کثیر کی مسند احمد کے متعلق یہ بات بہت تحقیقی بات ہے اس لئے کہ

[1] احمد محمد شاکر، الباعث الحثیث شرح اختصار علوم الحدیث۔ دمشق، مکتبہ دار الفیحاء ۱۴۱۴ھ۔ ص ۳۷-۳۸

[2] البلقینی۔ محاسن الاصطلاح، ص ۱۶۵۔

میں نے (۶۵۱۱) چھ ہزار پانچ سو گیارہ حدیثوں کی تحقیق کی ان میں (۵،۷۳۳) پانچ ہزار سات سو تینتیس حدیثیں صحیح ہیں (بقیہ مختلف درجات کی ہیں) اور ان میں ایسی ضعیف جو نا قابل اعتبار ہو مشکل سے ملے گی (اس لئے حافظ ابن کثیر کے بیان کی اس زمانے میں بھی صداقت عیاں ہو جاتی ہے)۔"[1]

دوسری صدی ہجری میں امام محمدؒ کی کتابوں کا تنقیدی جائزہ

امام محمدؒ نے حنفی فقہ کو کتابی صورت میں مرتب و مدون کیا، یہی کتابیں آج بھی فقہ کا اصل اور بنیادی سرمایہ ہیں، امام شافعیؒ نے ۱۶۴ھ میں امام مالکؒ سے موطا پڑھی پھر یمن سے عراق آکر ۱۸۴ھ میں امام محمدؒ سے فقہ پڑھی، مورخ اسلام شمس الدین ذہبیؒ نے تاریخ الاسلام میں موصوف کا بیان ان الفاظ میں نقل کیا ہے:

انفقت علی کتب محمد ابن الحسن	میں نے امام محمدؒ کی کتابوں پر ساٹھ دینار
ستین دینارا ثم تدبرتها فوضعت	خرچ کئے، پھر میں نے ان پر غور و فکر کیا اور
الی جنب کل مسئلة حدیثا[2]	ہر مسئلہ کے پہلو میں حدیث لکھی۔

یہ ان مسائل کا تنقیدی جائزہ تھا جو امام شافعیؒ نے لیا تھا۔

اس سے معلوم ہوا کہ امام محمد کی مرتب کتابوں میں ائمہ مجتہدین بھی غور و فکر کرتے اور ان سے بہت کچھ حاصل کرتے رہے ہیں اور ان کی کتابیں امت میں مقبول رہی ہیں۔

اس سے اس حقیقت کا بھی انکشاف ہوا کہ ان مسائل پر جس کی نظر سنن و آثار کے وسیع تر ذخیرہ پر محیط نہ ہو اور فقہی بصیرت سے محروم ہو ان مسائل کی تہ تک نہیں پہنچ سکتا۔

امام محمدؒ پر مخالفتِ حدیث کا الزام اور موصوف کی وضاحت

محدثین عموماً رائے و قیاس کے خلاف ہوتے ہیں اس لئے وہ فقہاء کو حدیث کا مخالف سمجھتے ہیں چنانچہ عیسیٰ بن

[1] احمد شاکر، الباعث الحثیث ص، ۳۰، ۳۸۔ [2] تاریخ البغداد ج ۲ ص ۱۷۲، یحییٰ بن شرف النووی۔ تہذیب الاسماء واللغات۔ القاهرة۔ ادارة الطباعة المنيرية، ب، ت ج ۱ ص ۸۱۔

ابان المتوفی ۲۲۱ھ جن کا شمار مشہور حفاظ حدیث میں تھا اہل الرائے کی صحبت سے کتراتے اور فرماتے تھے:

هولاء قوم يخالفون الحديث[1]	یہ لوگ حدیث کے خلاف کرتے ہیں۔

حافظ محمد بن سماعہؒ (۱۳۰-۲۳۳ھ، ۷۴۸-۸۴۷ء) جو ان کے دوست تھے وہ چاہتے تھے کہ یہ امام محمدؒ کی مجلس درس میں کبھی شریک ہو جائیں تو ان پر حقیقت آشکارا ہو جائے، ایک بار ایسا ہوا کہ عیسیٰ بن ابان محمد بن سماعہؒ سے ملنے آئے، امام محمد کے درس کا وقت قریب تھا محمد بن سماعہ نے ان سے کہا ذرا مجلس درس میں بیٹھو اور دیکھو، عیسیٰ بیٹھ گئے، درس کے بعد وہ انہیں امام محمد سے ملانے لے گئے اور صاف کہا کہ یہ آپ کو حدیث کا مخالف سمجھتے ہیں، امام محمد نے ان سے فرمایا:

"تم نے ہم سے کون سی ایسی بات دیکھی کہ جس میں ہم نے حدیث کے خلاف کیا ہو؟ ہمارے خلاف شہادت نہ دو جب تک تم ہم سے خلاف حدیث کوئی بات نہ سنو تو عیسیٰ نے ان سے پچیس باب کی حدیثوں کے متعلق سوال کیا انہوں نے عیسیٰ کو بتایا کہ ان میں حدیثیں منسوخ ہیں اور ان کے دلائل وشواہد پیش کئے"۔[2]

پھر یہ مجلس سے اٹھ کر آئے تو کہا جو پردہ حائل تھا وہ اٹھ گیا:

"میں سوچ نہیں سکتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی ملکت میں اس طرح کا عالم اللہ تعالیٰ لوگوں کے فائدہ کی خاطر نمودار فرمائے گا اور امام محمدؒ کی صحبت میں ہمہ وقت کی حاضر باشی اختیار کی تا آنکہ فقیہ بن گئے"۔[3]

[1] عبد الکریم بن محمد السمعانی۔ الانساب۔ بیروت، دار الجنان، ۱۴۰۸ھ ج ۴ ص ۴۳۱، [2] (القاضی) حسین بن علی الصیمری۔ اخبار ابی حنیفه واصحابه، بیروت۔ عالم الکتب، ۱۴۰۵ھ ج ۲۔ ص ۱۳۲ [3] الصیمری، ص ۱۳۲۔

محدثین کے یہاں ان کی مخالفتِ حدیث کا ایسا چرچا تھا کہ ابتدا میں اس کی صدائے بازگشت امام احمد بن حنبلؒ کے یہاں بھی سنائی دیتی تھی، چنانچہ موصوف فرماتے تھے:

"ابو یوسفؒ حدیث میں انصاف پسند و منصف تھے لیکن ابو حنیفہ اور محمد بن الحسن حدیث و اثر کے مخالف تھے۔"[1]

چنانچہ مورخ اسلام حافظ شمس الدین الذہبیؒ المتوفی ۷۴۸ھ نے حقیقتِ حال پر ان الفاظ میں روشنی ڈالی:

"موصوف کا احادیث کے خلاف کرنا عموم قرآن پر عمل کرنے کی وجہ سے تھا، بظاہر حدیث کی مخالفت محسوس ہوتی ہے، حقیقت میں وہ قرآنی نصوص پر عمل کرتے تھے۔"[2]

امام محمدؒ کے متعلق محدثین کرام کا طرز عمل

یہی وجہ ہے کہ محدثین نہ ائمۂ احناف کی کتابیں پڑھتے نہ ان کی مجلسوں میں بیٹھتے تھے بلکہ ان کی کتابوں کا مطالعہ کئے بغیر ہی ان کے متعلق رائے قائم کرتے اور لوگوں کو ان کی کتابوں کے مطالعہ سے روکتے تھے، چنانچہ حافظ ابن عدیؒ المتوفی ۳۶۵ھ کتاب الکامل فی ضعفاء الرجال" میں امام محمدؒ کی کتابوں کے متعلق رقم طراز ہیں:

"اور امام محمدؒ کی حدیثوں کے مطالعہ میں لگے رہنا ایک ایسا کام ہے جس کی حاجت ہی نہیں کیونکہ وہ اہل حدیث میں سے نہیں اس لئے مطالعہ سے روکا جاتا ہے۔"[3]

ذرا غور فرمائیں:

(۱) امیر المومنین فی الحدیث، سفیان ثوریؒ، شعبہ، امام مالکؒ، امام اوزاعی، حماد بن زید اور ابن عیینہؒ "اصول دین" کا شاگرد ہو۔

[1] تاریخ بغداد ج ۲ ص ۱۷۹ [2] تاریخ الاسلام، ص ۳۶۱ حوادث و وفیات ۱۸۱-۱۹۰ [3] عبد اللہ بن عدی الجرجانی، الکامل فی ضعفاء الرجال، بیروت، دار الفکر، ب ت، ج ۶ ص ۲۱۸۴۔

(۲) ائمہ حدیث اسے رواۃ مالکؒ میں قوی قرار دیں۔

(۳) ثقات حفاظ میں اس کا شمار ہو۔

(۴) شافعیہ کے مقتدا، مجتہد مطلق، امام شافعی کا استاد ہو۔

(۵) امام شافعیؒ حدیث میں اس سے احتجاج کرتے ہوں۔

(۶) عالم کے اذکیا میں اس کا شمار کیا جاتا ہو۔[1]

مذکورہ بالا صفات سے آراستہ حافظ و مجتہد وقت کے متعلق اس قسم کے ریمارک پاس کرنا کیا حق و انصاف قرار دیا جاسکتا ہے؟ یہی طرز عمل عام محدثین نے امام ابوحنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ، اور امام زفرؒ وغیرہم کے ساتھ روا رکھا ہے۔

ائمہ احناف پر مبہم جرح

انہی حقائق کے پیش نظر ائمہ احناف نے اصول فقہ کی کتابوں میں اس امر کی تصریح کی ہے کہ جو ائمہ حدیث ہمارے ائمہ پر مبہم جرح کرتے ہیں وہ جرح قابلِ اعتبار و لائق اعتنا نہیں اس لئے کہ وہ مذہبی تعصب اور طرفداری پر مبنی ہوتی ہے۔ چنانچہ فخر الاسلام بزدویؒ المتوفی ۴۸۲ھ "کنز الوصول الیٰ معرفۃ الاصول" میں رقم طراز ہیں:

"لیکن ائمہ حدیث کی طرف سے مجمل و مبہم جرح و طعن قابل اعتبار نہیں اس لئے کہ عدالت مسلمانوں میں ظاہر ہے (مسلمان ایمان کی بدولت عادل ہوتا ہے) خاص طور پر قرون اولیٰ (جس میں خیر کی شہادت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سے ثابت ہے، چنانچہ امام قاضی ابو یوسفؒ، امام زفرؒ، امام محمد تبع تابعی ہیں) اگر مطلق جرح و طعن کی بنا پر رد کیا جانے لگا تو سنن و آثار کا سارا ذخیرہ معطل اور بیکار ہو کر رہ جائے گا۔"[2]

[1] الذہبی العبر فی خبر من غبر تحقیق صلاح الدین المنجد الکویت، مطبوعۃ حکومۃ الکویت ۱۹۶۰ء ج ۱ ص ۲۰۷۔ [2] علی بن محمد فخر الاسلام البزدوی۔ کنز الوصول الیٰ معرفۃ الاصول، کراچی (التبیہ حاشیہ ص ۱۸۳) ۔

چنانچہ موصوف آگے بعض وجوہ طعن کی نشاندہی کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

"(۱) اور کبھی طعن اس سبب سے واقع ہوتا ہے کہ وہ ایسا مجتہد ہے کہ اس پر مثلاً ادرسال کا طعن کیا جاتا ہے۔

(۲) کثرت سے فقہ کے فروعی مسائل کے استخراج واستنباط کرنے پر جرح کی جاتی ہے، یہ طعن وجرح قابل قبول نہیں۔

(۳) اور اگر طعن مفسر فسق وفجور کی تہمت کے ساتھ ہو لیکن طعن کرنے والے پر عصبیت وعداوت کی تہمت لگی ہو تو بھی طعن قابل سماعت نہیں جیسے ملحد اور بے دینوں کا اہل سنت پر طعن کرنا۔

(۴) اسی طرح ان لوگوں کا جنھوں نے شافعی مذاہب اختیار کیا ہمارے ائمہ متقدمین پر جرح کا حکم ہے۔"[۱]

اس سے یہ حقیقت عیاں ہوئی کہ قدمائے حنفیہ پر عداوت کی وجہ سے جو جرح وطعن کیا جاتا ہے وہ قابل التفات نہیں۔

امام محمدؒ کے درسی افادات کی قدر وقیمت قاضی عیسیٰ بن ابانؒ کا بصرہ میں جب انتقال ہوا تو ان کے کتب خانہ کی کتاب کا ہر ورق جدا بکا، علامہ سمعانی کتاب الانساب میں اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"اور جب عیسیٰ بن ابان کا انتقال ہوا، ۲۲۱ھ میں ان کی کتابیں ورق ورق کرکے فروخت کی گئیں ہر ورق ایک درہم میں فروخت کیا گیا، اس لئے کہ موصوف نے امام محمد کے درس میں کتاب کے حاشیوں

(بقیہ حاشیہ ص ۳۱۷) نور محمد کارخانہ تجارت کتب ۱۳۸۰ھ ص ۱۹۶۔ محمد بن احمد السرخسی = اصول السرخسی حیدرآباد دکن لجنۃ احیاء المعارف النعمانیۃ ۲۰، ۱۳۔ ج ۲ ص وحاشیہ ھذا [۱] کشف الاسرار ج ۳ ص، اصول السرخسی ج ۲ ص ۱۱۔ الانساب ج ۳ ص ۴۸۳ (القاضی)

پر مسائل کی تحقیق اور فوائد لکھے تھے۔"[۱]

مذکورہ بالا واقعہ سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ امام محمدؒ کے درسی افادات کی اس دور میں کیا قدر وقیمت تھی۔

شکل وصورت اور حسن وجمال امام محمدؒ بہت زیادہ حسین وجمیل تھے، باپ انہیں امام ابوحنیفہؒ کی مجلس درس میں لائے، انہوں نے فرمایا لڑکے کے سر کے بال منڈوائیں، پرانے کپڑے پہنائیں تاکہ لوگ فتنہ میں نہ پڑیں۔

امام محمدؒ کا بیان ہے کہ والد نے میرا سر منڈایا، پرانے کپڑے پہنائے تو حسن اور دوبالا ہوگیا۔[۲]

امام شافعیؒ کی امام محمدؒ سے پہلی ملاقات امام شافعی کا بیان ہے:

"میں نے پہلی بار جب امام محمد کو دیکھا ان کے پاس اہل علم بیٹھے تھے میری نظر ان کے چہرے پر پڑی تو وہ سب سے زیادہ حسین وجمیل تھا پیشانی تو گویا ہاتھی کے دانت کی طرح روشن وصاف تھی، لباس سب سے بہتر تھا۔ ایک اختلافی مسئلہ پوچھا تو اپنا مذہب زوردار انداز میں پیش کیا، بیان کرکے تیر کی طرح گزر گئے۔"[۳]

عادات وخصائل اور کمالات وفضائل اور امام شافعی کا اعتراف امام شافعیؒ ان کے عادات وخصائل اور کمالات وفضائل پر گوناگوں الفاظ میں متواتر روشنی ڈالتے رہے ہیں، چنانچہ فرمایا:

"میں نے کسی کو نہیں دیکھا کہ اس سے کوئی اختلافی مسئلہ پوچھا ہو اور اسے ناگوار نہ ہوا ہو سوائے امام محمد کے۔"[۴]

[۱] الانساب ج ۴ ص ۳۳۴ (قاضی)، اس طرح بیچنے میں ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ مکمل کتاب کے فروخت کے مقابلہ میں رقم زیادہ ملتی ہے [۲] شذرات الذہب ج ۱ ص ۳۲۲ [۳] ایضاً [۴] الصیمری اخبار ابی حنیفۃ وصاحبیہ۔ ص ۱۲۸، شذرات الذہب ج ۱ ص ۳۲۲۔

امام موصوفؒ کا بیان ہے:

"میں نے امام محمدؒ سے بڑھ کر کتاب اللہ کا فصیح و بلیغ عالم، حلال و حرام کا جاننے والا، اسباب و علل کا واقف اور ناسخ و منسوخ پر نظر رکھنے والا نہیں دیکھا، لوگ اگر انصاف سے کام لیں تو یقین کریں کہ انہوں نے امام محمد بن حسن الشیبانیؒ کا نظیر نہیں دیکھا[۱] ... ان سے بڑھ کر فقیہ کے پاس کبھی نہیں بیٹھا اور نہ فقہی زبان بولنے والا دیکھا، وہ فقہ اور اسباب و علل فقہ کی ایسی باتیں جانتے تھے جن کو بیان کرنے سے بڑے بڑے لوگ عاجز تھے۔[۲]

امام شافعی رحمہ اللہ نے امام مالکؒ اور امام محمدؒ دونوں سے پڑھا اور سنا تھا اور انہیں ان کی ہم نشینی کا فخر حاصل تھا۔ ایک مرتبہ ان سے پوچھا گیا کہ بتائیں ان میں کون زیادہ فقیہ تھا؟ فرمایا! محمد بن الحسن زیادہ فقیہ النفس تھے۔[۳]

ابو عبید قاسم بن سلامؒ کا بیان ہے:

"میں امام محمدؒ کی خدمت میں حاضر ہوا دیکھا امام شافعیؒ بھی مجلس میں بیٹھے مسئلہ پوچھ رہے ہیں، موصوف نے عمدہ جواب دے کر خاموش کر دیا اور درہم دے کر فرمایا، علم چاہتے ہو تو یہاں جمے رہو چنانچہ میں نے امام شافعیؒ کو فرماتے ہوئے سنا، واللہ میں نے امام محمدؒ سے ایک بار شتر علم قلم بند کیا ہے۔"[۴]

اس زمانے میں ایک بار شتر علم بہت زیادہ سمجھا جاتا تھا۔ امام شافعیؒ کا قول ہے:

"امام محمدؒ اگر نہ ہوتے تو مجھ پر علم کا ایسا انکشاف اور فیضان نہ ہوتا جیسا کہ اب ہوا ہے۔"[۵]

امام شافعی فرماتے ہیں:

---

[۱] اخبار ابی حنیفہ و صاحبیہ و اصحابہ، ص ۱۲۸، شذرات الذہب، ج ۱ ص ۳۲۲-۳۲۳۔
[۲] ایضاً [۳] ایضاً ص ۳۲۲ [۴] الصیمری اخبار ابی حنیفۃ و اصحابہ، ص ۱۲۸ شذرات الذہب ج ۱ ص ۳۲۲ [۵] شذرات الذہب۔

"میں نے فربہ انسان محمد بن الحسنؒ سے زیادہ سبک روح (چست اور مستعد) نہیں دیکھا۔"[۱]

امام محمدؒ کی علمی فیض بخشیاں اور مالی مدد و سخاوت امام محمد بہت سخی تھے، ان کی فیض بخشیاں طلبہ پر عام تھیں، وہ ان کی علمی رہنمائی کرتے، ان کے اشکالات دور کرتے۔ غیر عراقی طالب علم اپنے وقت میں کمی کے باعث امام موصوف کے علوم سے پورے طور پر استفادہ کرنے سے قاصر رہتا تو وقت نکال کر تنہا اسے رات میں دیر تک پڑھاتے تھے، چنانچہ اسد بن الفرات القیروانی نے امام محمد کو اپنے حالات سے آگاہ کیا اور بتایا کہ وہ زیادہ قیام بھی نہیں کر سکتا، خرچہ صرفہ بھی نہیں اور آپ کے علوم سے بہرہ ور ہونے کی آرزو بھی پوری نہیں ہو سکی، میرے لئے آپ سے استفادہ کی کیا تدبیر ہو سکتی ہے؟ امام محمد نے فرمایا دن میں عراقی طلبہ کے ساتھ درس سنا کرو، میں نے رات صرف تمہارے لئے رکھی ہے تم رات یہاں گزارو میں تمہیں سناؤں گا، اس کا بیان سنیے وہ کہتا ہے:

"میں رات کو امام محمد کی خدمت میں حاضر ہوتا، وہ تشریف لاتے، ان کے سامنے پانی سے بھرا پیالہ رکھا ہوتا، پھر وہ پڑھنا شروع کرتے جب رات زیادہ ہو جاتی مجھے اونگھ کے جھونکے آنے لگتے تو دست مبارک سے میرے منہ پر چھینٹے مارتے تو ہوش آتا، ان کا یہی دستور تھا اور میری وہی عادت تھی تا آنکہ میں نے ان سے کتابوں کا سماع پورا کیا اور ان سے رخصت ہوا۔"[۲]

امام محمدؒ نے جب اسد بن الفرات قیروانی کو راستہ کی سبیل سے پانی پیتے دیکھا تو اس کی غربت کا اندازہ ہوا، موصوف نے اسے اسی دینار دیے[۳] اور جب وہ قیروان جانے لگا تو سفارش کر کے سرکاری خزانہ سے دس ہزار درہم دلائے[۴] تاکہ سفر آسانی سے کریں کسی قسم کی مالی پریشانی نہ ہو۔

---

[۱] تاریخ بغداد ج ۲ ص ۱۷۵ [۲] محمد زاہد الکوثری۔ بلوغ الامانی فی سیرۃ الامام محمد بن الحسن الشیبانی۔ کراچی۔ مطبعۃ ایجوکیشنل پریس، ۱۴۰۳ھ، ص ۱۵ [۳] ایضاً [۴] سیر اعلام النبلاء ج ۱، ص ۲۲۰، عبد الرحمن بن محمد الدباغ۔ معالم الایمان فی معرفۃ اہل القیروان: القاہرہ، دار المعارف: ۱۳۷۲ھ ج ۲ ص ۹-۱۱۔ یہ کتاب اس عاجز نے بیرو یونیورسٹی، کانو، نائیجیریا میں دیکھی تھی۔

طلبہ کی مالی مدد کرتے، ایک بار امام شافعیؒ کا تمام قرض ادا کیا[1] وقت پر ان کے کام آتے تھے۔

امام شافعیؒ کی بغاوت کے الزام میں گرفتاری اور امام محمدؒ کی حق گوئی و مہربانی

مکہ میں نو علویوں کی ایک جماعت بغاوت کے الزام میں پکڑی گئی، انہوں نے امام شافعی کو بھی ملزم قرار دے کر اپنے ساتھ گرفتار کرایا، اس بات کی جب امام محمد کو خبر لگی بہت صدمہ ہوا فرمایا: وقت آنے دو، چنانچہ ان دس افراد کی جماعت کو دار الخلافہ بغداد لایا گیا، خلیفہ ہارون رشید، رقہ میں تھا، انہیں رقہ میں اس کے سامنے پیش کیا گیا، اس نے بیانات سُن کر نو کو قتل کرایا، امام شافعی سمجھتے تھے اب میری باری ہے آخر انہیں بھی خلیفہ کے سامنے پیش کیا گیا، وہاں امام محمد بیٹھے ہوئے تھے، انہوں نے کہا میں علوی نہیں میں ہاشمی مطلبی ہوں، عالم ہوں، مجھے یہ علوی ظلماً یہاں گھسیٹ لائے ہیں، یہ مکالمہ امام شافعیؒ کی زبانی سُنئے، وہ فرماتے ہیں خلیفہ نے کہا:

"تم محمد بن ادریس ہو، میں نے عرض کی" جی" امیر المومنین! اس نے کہا محمد بن الحسن نے تمہارا مجھ سے ذکر نہیں کیا، خلیفہ محمد بن الحسن کی طرف متوجہ ہوا اور کہا، اے محمد! جو یہ کہتا ہے وہ ایسا ہی ہے جیسا وہ کہتا ہے، امام محمدؒ نے کہا جی ہاں، حقیقت ایسی ہی ہے، اس کا علم میں بڑا مقام ہے اور جو ان پر تہمت دھری گئی ہے وہ ان کی شان کے منافی ہے، پھر خلیفہ نے کہا، یہ آپ کے حوالے، آپ پکڑیں، تاکہ میں اس کے معاملے میں غور کروں، چنانچہ انہوں نے پکڑے رکھا اور وہ میری نجات کا سبب ہوگئے"[2]

بعض شافعیہ نے گرفتاری کا الزام امام محمدؒ پر دھرا اور بعض نے اس الزام میں امام ابو یوسفؒ کو بھی شریک کیا ہے، حالانکہ وہ اس واقعہ سے پہلے انتقال کر گئے تھے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ

[1] شذرات الذہب فی اخبار من ذہب، مصر مکتبۃ القدوسی ۱۳۵۰ھ ج ۱ ص ۳۲۴
[2] الانتقاء ص ۹۸ شذرات الذہب ج ۱ ص ۳۲۳۔

المتوفی ۸۵۲ھ توالی التاسیس میں رقم طراز ہیں:

"یہ روایت جھوٹی ہے اور اس کا بیشتر حصہ گھڑا ہوا ہے اور بعض حصے دوسری مختلط روایتوں سے ماخوذ ہیں اور جو کھلا جھوٹ اس میں ہے وہ یہ ہے کہ ابو یوسف اور محمد بن الحسن نے ہارون الرشید کو امام شافعیؒ کے قتل پر ترغیب دی، یہ قصہ دو وجہ سے باطل اور جھوٹ ہے۔

پہلی وجہ یہ ہے کہ ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ امام شافعی کی بغداد میں آمد (۱۸۴ھ) سے پہلے (۱۸۲ھ) میں انتقال کر گئے تھے اور امام شافعی کی ان سے ملاقات ہی نہیں ہوئی تھی اور دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ دونوں امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ اللہ تعالیٰ سے بہت ڈرنے والے تھے، ان دونوں سے بعید ہے کہ کسی مسلمان کے قتل میں کوشش کریں، خاص طور سے ایک مشہور عالم کے، ان دونوں کی جناب میں امام شافعی کا کوئی گناہ نہ تھا بجز اس کے کہ علم پر حسد تھا جو اللہ تعالیٰ نے اسے عطا کیا تھا"[1]

اگر ابن حجرؒ کی حسد کی بات صحیح ہے تو پھر ان کا تقویٰ کہاں رہا حسد تقویٰ کو کھا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ سب کو حسد کی آگ سے بچائے۔ (آمین)

مورخ عبد الحیٔ بن العماد الحنبلی المتوفی ۱۰۸۹ھ نے شذرات الذہب میں اسے افترا و بہتان قرار دیا ہے، حقیقت یہ ہے کہ اگر امام محمدؒ سفارش نہ کرتے تو نہ امام شافعی رہتے، نہ شافعی مذہب، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

"ہر شافعی پر قیامت تک لازم ہے کہ وہ امام محمدؒ کے اس احسان کو سمجھے اور موصوف کے لئے مغفرت اور بخشش کی دعا کرتا رہے"[2]

[1] ابن حجر العسقلانی۔ توالی التاسیس لمعانی محمد بن ادریس تحقیق عبد اللہ القاضی۔ بیروت: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۰۶ھ = ۱۹۸۶ء ص ۱۳۱ [2] شذرات الذہب۔ ج ۱ ص ۳۲۴۔

والدین کی میراث کا صحیح مصرف ابو عمرو شاگرد امام محمدؒ کا بیان ہے:

"امام محمدؒ نے فرمایا: والد نے تیس ہزار درہم چھوڑے تھے۔ ان میں سے پندرہ ہزار میں نے شعر و ادب پر اور پندرہ ہزار حدیث و فقہ پر خرچ کئے"۔[1]

امام محمدؒ کی کتابوں سے ائمہ لغت و نحو کا اعتنا موصوف نے حدیث و فقہ عربیت و ادب میں ایسی مہارت حاصل کی تھی کہ انہیں سند کا درجہ حاصل ہے، چنانچہ ابوبکر الجصاص الرازی (۳۰۵-۳۷۰ھ = ۹۱۷-۹۸۰ء) "باب معانی حروف العطف وغیرھا" کی بحث میں رقم طراز ہیں:

"محمد بن الحسن لغت کے متعلق جو نقل کرتے ہیں اس میں وہ حجت و سند ہیں، ائمہ لغت کی ایک جماعت نے موصوف کے اقوال سے حجت پکڑی اور دلیل پیش کی ہے، ان میں ابوعبید نے غریب الحدیث وغیرہ کتابوں میں ان کے اقوال سند کے طور پر پیش کئے ہیں، ابوبکر الجصاص کا بیان ہے ابوالعباس ثعلب (۲۰۰-۲۹۱ھ = ۸۱۶-۹۱۴ء) کی طرف سے یہ بات نقل کی گئی ہے کہ محمد بن الحسن الشیبانی لغت میں حجت و سند ہیں"۔[2]

ابوعبید قاسم بن سلام لغوی بغدادی (۱۵۴-۲۲۴ھ/ ۷۷۴-۸۳۸ء) کے اپنی کتابوں میں امام محمدؒ کے اقوال سے استدلال کرنے کا ذکر قاضی حسن بن عبد الرحمٰن الرامہرمزی (تقریباً ۲۶۰-۳۶۰ھ = ۸۷۴-۹۷۰ء) نے "المحدث الفاصل بین الراوی والواعی میں بھی کیا ہے"۔[3]

امام طحاوی المتوفی ۳۲۱ھ اپنے شیخ محمد بن شاذان المتوفی ۲۷۲ھ سے نقل کرتے ہیں کہ

---

[1] اخبار الامام ابی حنیفۃ واصحابہٗ الصیمری ص ۱۲۹، تاریخ بغداد ج ۲ ص ۱۸۳، مناقب الامام ابی حنیفہ ص ۱۵۴، اخبار الامام ابی حنیفۃ واصحابہٗ، شذرات الذہب ج ۱ ص ۳۲۳۔ [2] اصول الجصاص ج ۱ ص ۳۔

[3] المحدث الفاصل ص ۲۵۱۔

اخفش نحوی سعید بن مسعدہ المتوفی ۲۱۵ھ فرماتے تھے:

"کوئی چیز کسی چیز کے لئے اس طریقہ پر ہرگز وضع نہیں کی گئی کہ وہ اس کے مطابق ہو مگر امام محمد بن الحسن کی کتاب الایمان جو "الجامع الکبیر" میں قسموں کے بیان میں ہے وہ عوام الناس کے کلام کے عین مطابق ہے"۔[1]

امام لغت ابوعلی فارسی (۲۸۸-۳۷۷ھ/ ۹۰۰-۹۸۷ء) جو مبرد لغوی کا ہمسر سمجھا جاتا تھا امام محمد کی فقہ کی کتابوں کا مطالعہ کرتا اور انہیں عزیز رکھتا تھا، چنانچہ یاقوت رومی کا بیان ہے:

"ایک مرتبہ بغداد میں آگ لگی تو ابوعلی کا وہ سارا علمی سرمایہ جو اس نے ایک زمانے میں اپنے استاد سے دوران سبق قلم بند کیا تھا، خاکستر ہوگیا ایک صندوق میں صرف امام محمدؒ کی کتاب الطلاق کا آدھا حصہ بچ گیا تھا، اس ذخیرہ کے جلنے کا اس کو ایسا صدمہ تھا کہ اس نے دو دن تک کسی سے بات نہیں کی تھی"۔[2]

ائمہ لغت و نحو میں امام صاحب کی کتابوں کی مقبولیت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ ابو علی فارسی کا شاگرد ابوالفتح عثمان بن جنی المتوفی ۳۹۲ھ "کتاب الخصائص" میں رقم طراز ہے:

"اسی طرح محمد بن الحسن رحمہ اللہ کی کتابیں ہیں جن سے ہمارے نحوی علتیں نکالتے ہیں ان کے کلام میں علل منتشر اور جا بجا پھیلی ہوئی ہیں، انہیں خوش اسلوبی اور سلیقہ سے ایک ایک کرکے جمع کیا جاتا ہے، ہم ان کے کلام میں علت ایک جگہ پوری لکھی ہوئی نہیں پاتے، یہ بات نحویوں کی جماعت میں مشہور و مسلم ہے"۔[3]

---

[1] تاریخ البغداد ج ۲ ص ۱۷۷، مناقب الامام ابی حنیفہ ص ۱۵، مناقب الامام الاعظم ج ۲ ص ۱۵۹۔

[2] یاقوت الرومی معجم الادباء دھلی ب ت ج ۲ ص ۲۰۔ [3] عثمان ابن جنی۔ کتاب الخصائص حقیق محمد علی النجار۔ بیروت، دار الکتاب العربی ب ت ج ۱ ص ۱۶۳۔ موفق الدین یعیش۔ شرح المفصل بیروت: علم الکتب ب ت، ج ۱ ص ۱۴۔

موصوف آگے لکھتے ہیں:

"علوم میں سے کسی علم میں غور و خوض نہیں کیا جاتا مگر صرف انہی متعین موجود ناگزیر مسائل میں جن کا علم کسی طور پر حاصل نہ ہو تو انسان ان مسائل میں مبہوت و پریشان رہتا اور بے سمجھے بات کہتا ہے کیا تم فقہ، فرائض، ریاضی اور ہندسہ وغیرہ کے بہت سے مرکبات اور مشکل مسائل کو نہیں دیکھتے کہ انسان ان پر وقتاً فوقتاً اور کچھ دن گزر جانے کے بعد بھی اہم و نادر مسائل پر غور و فکر کرتا رہتا ہے اور ان سے وہ اس وقت فائدہ اٹھاتا ہے جب اس کا مذاق مشقت و ریاضت سے پختہ ہو جاتا ہے۔[1]"

امام محمدؒ کو جس طرح ادب و لغت میں سند کا درجہ حاصل تھا اسی طرح حساب و ریاضی میں بھی انہیں مہارت تامہ حاصل تھی، امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں "امام ابو حنیفہؒ کے شاگردوں میں امام محمد عربیت اور حساب میں سب سے بڑے عالم تھے"۔

کوفہ اور بصرہ کی علمی منافست و چشمک اور فخر و ناز

کوفہ و بصرہ کی علمی برتری و چشمک میں فراز (جو امام محمدؒ کے خالہ زاد بھائی تھے)[2] کی کتابیں اور امام محمدؒ کے ستائیس ہزار مرتبہ مسائل پیش کئے جاتے تھے، چنانچہ ابو علی حسن بن داؤد کا بیان ہے:

"اہل بصرہ کو چار کتابوں پر فخر و ناز ہے۔ جاحظ کی (۱) کتاب البیان والتبیین اور (۲) کتاب الحیوان۔ سیبویہ کی (۳) الکتاب (نحو میں) اور (۴) لغت میں خلیل کی کتاب العین۔

اور ہم ان ستائیس ہزار حلال و حرام کے مسائل پر فخر کرتے ہیں جنھیں اہل کوفہ میں ایک شخص نے مرتب و مدون کیا جسے محمد بن الحسن کہا جاتا ہے، یہ تمام مسائل قیاسی و عقلی ہیں جن سے لوگ بے نیاز نہیں رہ سکتے اور فراز کی کتاب معانی القرآن، مصادر القرآن، کتاب الوقف والابتداء

[1] کتاب الخصائص تحقیق محمد علی النجار، بیروت، دار الکتاب العربی، ب، ت ج ۲ ص ۹۲-۹۳۔ [2] تاریخ بغداد ج ۱۴ ص ۱۵۲۔

اور کتاب الواحد والجمع فی القرآن ہیں۔[1]

حقیقت یہ ہے کہ اس زمانے میں کوفہ میں علوم قرآن و سنت اور لغت و نحو کے ایسے ماہر و ارباب کمال جمع تھے جن کی نظیر اسلامی قلم رو میں موجود نہیں تھی، مورخ اسلام شمس الدین الذہبی المتوفی ۷۴۸ھ "سیر اعلام النبلاء" میں یحییٰ بن اکثم سے ناقل ہیں، وہ فرماتے تھے:

"لوگوں میں چوٹی (کے ماہر فن) علماء تھے، چنانچہ حدیث کے فن میں سفیان ثوری ماہر تھے، قیاس میں ابو حنیفہ ماہر تھے، قرأت کے فن میں کسائی تھے، آج کوئی بھی ان فنون میں ایسا ماہر باقی نہیں رہا۔[2]"

مذکورہ بالا ائمہ فن کی شہادت و ارباب کمال کی تصریحات سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ علوم قرآن و سنت اور علوم لغت و عربیت میں امام محمدؒ کو امت مسلمہ میں کیسا بلند مقام حاصل ہے۔

امام محمدؒ کی تعلیمی، تدریسی و تصنیفی خدمات کا عالم اسلامی کے فقہی مذاہب شافعی، مالکی اور حنبلی پر اثر

امام محمدؒ کی تدریسی و تصنیفی خدمات کا دائرہ ایشیا تک محدود نہ تھا بلکہ اس سے افریقہ و دیار مغرب کو بھی فیض یابی کا موقع ملا ہے اور ان سے اسلامی قلم رو میں عظیم انقلاب رونما ہوا۔

شافعی مذہب

شافعی مذہب افریقہ میں ان کے شاگرد محمد بن ادریس الشافعی کی بدولت معرض وجود میں آیا اور پنپا جو فرماتے تھے:

"مجھ پر لوگوں میں سب سے زیادہ احسان فقہ میں محمد بن الحسن الشیبانیؒ کا ہے۔[3]"

امام شافعی کی مجتہدانہ بصیرت سے سرزمین مصر کو (۱۹۸ھ = ۸۱۳ء) میں یہ فخر حاصل ہوا کہ وہاں اہلسنت والجماعت کے چار مشہور مذاہب میں سے تاریخی اعتبار سے تیسرا مذہب مذہب شافعی پہلے افریقہ میں پروان چڑھا، پھر دوسرے مذاہب کی طرح اسلامی دنیا (ایشیا) میں پھلا پھولا، چنانچہ

[1] تاریخ بغداد ج ۲ ص ۱۷۷ [2] سیر اعلام النبلاء۔ ج ۷ ص ۲۴۹ (تذکرہ سفیان ثوری) الانساب ج ۱ ص ۱۸۸ (الاعرابی) [3] تاریخ البغداد ج ۲ ص ۱۷۶۔

تاج الدین سبکی المتوفی ۷۷۱ھ شافعیہ کی علمی راجدھانیوں مصر، شام، بغداد، خراسان، یمن کی نشاندہی کرنے کے بعد ان کے بلاد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"مشرق میں اختلاف اقالیم اور وسعت بلاد کے باوجود دوسرے شہروں میں جیسے سمرقند، بخارا، شیراز، جرجان، رے، اصفہان، طوس، سادہ، ہمدان، دامغان، زنجان بسطام، تبریز، بیہق، میہنہ، استراباد وغیرہ شہر جو اقالیم ماوراء النہر میں داخل ہیں خراسان، آذربائیجان، مازندران، خوارزم، غزنہ، صحاب، غور، کرمان سے بلاد ہند تک اور تمام ماوراء النہر سے چین کے اطراف تک عراق عجم و عراق عرب وغیرہ میں ایسے شہر آباد تھے جنھیں دیکھ کر آنکھیں ٹھنڈی رہتی اور دل باغ باغ ہوتے تھے۔ لیکن افسوس تاتاریوں نے انہیں تباہ کر دیا۔

ثم انقضت تلك البلاد واهلها　　فكانها وكانهم احلام [۱]

(ترجمہ) پھر یہ شہر اور اہل شہر ٹوٹ پھوٹ کے شکار ہو گئے گویا وہ شہر اور ان کے مکین سب خواب ہو گئے"۔

مالکی مذہب امام محمدؒ کے دوسرے نامور شاگرد علامہ قاضی اسد بن الفرات بن سنان الحرانی ثم القیروانی (۱۴۲-۲۱۳ھ = ۷۵۹-۸۲۸ء) ہیں جن کے تذکرہ کا آغاز مورخ اسلام علامہ شمس الدین الذہبی المتوفی ۷۴۸ھ نے ان الفاظ سے کیا ہے:

الامام، العلامة، القاضی، الامیر، مقدم المجاهدین، ابو عبد الله الحرانی ثم القیروانی [۲]

موصوف ۱۷۲ھ میں قیروان سے نکلے [۳] امام مالکؒ سے اس سال الموطا کا سماع کیا [۴]۔ یہ دیار مغرب سے آئے تھے اس لئے امام مالک ان پر بہت مہربان تھے، موصوف نے جب فرضی مسائل (آیندہ پیش آنے

[۱] عبد الوہاب السبکی۔ طبقات الشافعیۃ الکبریٰ تحقیق محمود محمد الطناحی عبد الفتاح محمد الحلو مصر، عیسیٰ البابی الحلبی، ب ت۔ ج ۱ ص ۳۲۷-۳۲۸ [۲] سیر اعلام النبلاء ج ۱ ص ۲۲۵ [۳] بلوغ الامانی۔ ص ۱۴ [۴] سیر اعلام النبلاء ج ۱۰ ص ۲۲۵۔

والے مسائل) کے متعلق سوالات کئے تو امام مالکؒ نے فرمایا تم عراق جاؤ [۱]۔ ان کا دل ٹوٹا مگر امام مالکؒ کو کیا معلوم تھا کہ یہ سائل ان کے مذہب کو عالم اسلامی میں پروان چڑھانے کا اصل محرک ثابت ہوگا (جیسا کہ آگے آتا ہے) یہ عراق آئے، یہاں امام ابو یوسف حافظ و فقیہ یحییٰ بن ابی زائدہ کوفی ۱۱۹-۱۸۳ھ = ۷۳۷-۷۹۸ء) سے پڑھا [۲] اور امام محمدؒ سب سے زیادہ استفادہ کیا [۳]۔ ان پر رائے و قیاس کا زیادہ غلبہ ہو گیا [۴]۔ اس لئے موصوف نے امام ابو حنیفہ کی فقہی مسائل پر کتابیں نقل کیں [۵] اور ۱۷۹ھ = ۷۹۵ء میں جب امام مالکؒ کی وفات کی خبر ملی بغداد سے مدینہ آئے مختصر قیام کے بعد مصر کا رخ کیا، یہاں امام مالکؒ کے بڑے شاگرد موجود تھے، چنانچہ پہلے امام و مفتی عبد اللہ بن وہب مصری (۱۲۵-۱۹۷ھ = ۷۴۲-۸۱۳ء) جو بیس برس امام مالکؒ کی صحبت میں رہے تھے [۶] امام ابو حنیفہؒ کی کتابوں میں مذکورہ مسائل کے متعلق امام مالکؒ کی رائے دریافت کرنے کے لئے، موصوف نہایت پرہیز گار بزرگ تھے سا [۷] سے معذرت کی [۸] پھر امام مالک کے دوسرے ممتاز شاگرد عبد الرحمن بن القاسم المصری (۱۳۲-۱۹۱ھ = ۷۵۰-۸۰۶ء) کے سامنے اپنا مقصد پیش کیا انہیں جو زبانی یاد تھا بتایا اور جن مسائل میں تردد و شک تھا ان کے متعلق "اخال" (میرا خیال ہے)، "احسب" (میں سمجھتا ہوں)، "اظن" (میرا گمان اور میری رائے ہے) کے الفاظ سے اظہار خیال کیا، اسد بن الفراتؒ جو مسائل ان سے پوچھتے تھے وہ تین سو جزوں کے ٹکڑوں میں ان کے پاس محفوظ تھے [۹]

اس مجموعہ کا نام المسائل الاسدیہ [۱۰] ہے۔

موصوف جب قیروان پہنچے اس کو پڑھایا، اخذوا عنه وتفقهوا به [۱۱] لوگوں نے ان سے علم

[۱] بلوغ الامانی، ص ۱۴ [۲] الذہبی ج ۱ ص ۲۲۵ [۳] بلوغ الامانی، ص ۱۵ [۴] سیر اعلام النبلاء ج ۱۰ ص ۲۲۵ [۵] ایضاً ۱۳۲ [۶] ایضاً ج ۱۰ ص ۲۲۵ [۷] ایضاً [۸] ایضاً ص ۲۲۶ [۹] طبقات الفقہاء ص ۱۳۲ [۱۰] الانتقاء ص ۵۰-۵۱ و سیر اعلام النبلاء ج ۱۰ ص ۲۶۶ [۱۱] ایضاً ص ۲۲۶ [۱۱] ایضاً۔

حاصل کیا اور فقہ میں بصیرت پیدا کی، خوب پذیرائی ہوئی، ابو اسحاق الشیرازی لکھتے ہیں ان کتابوں کی بدولت انہیں علمی فرمانروائی ملی[1] (قضاء کا عہدہ ملا)

عبدالسلام بن سعید التنوخی المعروف سحنون (۱۶۰ - ۲۴۰ھ/ ۷۷۷ - ۸۵۴ء) نے موصوف سے پڑھا[2] اسد بن الفرات کے چھ برس کے بعد (۱۸۸ھ/ ۸۰۴ء) میں سحنون مصر آئے، امام عبدالرحمن بن القاسم العتکی سے "الاسدیۃ" کے مسائل میں مذاکرہ کیا اس وقت ابن القاسم نے کہا:

"ان میں بعض ایسی باتیں ہیں جن میں تبدیلی ناگزیر ہے اور ان کا جواب اسد بن الفرات کو بھی لکھا تم اپنی کتابوں کا سحنون کی کتابوں سے مقابلہ کر و لیکن اسد نے ایسا نہیں کیا جس سے انہیں صدمہ ہوا[3]

سحنون کے اس اصلاحی اور مقابلہ و اضافہ کئے ہوئے "نسخۃ الاسدیۃ لابن الفرات" کا دوسرا نام "المدونۃ الکبریٰ" ہے یہ الاسدیۃ کا نقش ثانی ہے جسے سحنون ۱۹۱ھ/ ۸۰۶ء میں قیروان لائے، یہی کتاب عالم اسلامی میں مقبول و مشہور ہے، چنانچہ علامہ شمس الدین الذہبی سیر اعلام النبلاء میں رقم طراز ہیں:

"اصل المدونۃ اسئلۃ سالہا اسد بن الفرات لابن قاسم"[4]

"المدونۃ الکبریٰ کی اصل وہ سوالات ہیں جو اسد بن الفرات نے ابن القاسم سے کئے تھے

امام ابن تیمیہؒ کو بھی اس امر کا اعتراف ہے کہ المدونہ میں فقہائے اہل عراق کی تفریعات سے پورا فائدہ اٹھایا ہے، اس لئے اس میں اہل عراق کے اصول کی جھلکیاں نمایاں ہیں، موصوف فرماتے ہیں:

---

[1] طبقات الفقہاء، ص ۱۳۲ [2] سیر اعلام النبلاء ج ۱۰ ص ۱۲۶ - عبدالرحمن بن خلدون المغربی: تاریخ ابن خلدون (المقدمہ) بیروت: دار الکتاب للبنانی ۱۹۵۶ء ص ۸۱۱ - ۸۱۲ [3] سیر اعلام النبلاء ج ۱۰ ص ۲۲۴، ۲۲۵ [4] ایضاً ج ۱۲ ص ۶۸ -

"یہ بات ہر پڑھے لکھے کو معلوم ہے کہ مدونہ ابن القاسم کی اصل و بنیاد "مسائل اسد بن الفرات" ہیں جن کی تفریع فقہاء اہل عراق نے کی ہے، ان مسائل کے متعلق اسد نے ابن القاسمؒ سے جواب پوچھے چنانچہ مسائل اسدیہ کی اصل سحنون کی روایت میں موجود ہے موصوف کے پاس امام مالکؒ سے منقول جواب تھے وہ بتائے اور کبھی اسد نے امام مالکؒ کے قول پر قیاس کر کے جواب دیا اس لئے ابن القاسم کے کلام میں قابل ذکر تعداد ان اقوال کی ہے جن میں ان کا میلان اہل عراق کی طرف نمایاں ہے اور وہ اہل مدینہ کے اصول کے مطابق نہیں ہے[1]

مذکورہ بالا تاریخی حقائق سے معلوم ہوا کہ المدونۃ کی جو چھتیس ہزار جزئیات مسائل پر مشتمل ہے اس کی تدوین حنفی فقہ کے زیر اثر عمل میں آئی ہے اور اسے آج اسلامی دنیا میں المدونۃ الکبریٰ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے یہ دراصل امام محمد کے شاگرد اسد بن الفرات کی مساعی جمیلہ کا ثمرہ ہے۔ جس نے سرقطہ کے محاذ پر میدان کارزار میں سورۂ یٰسین پڑھتے ہوئے جام شہادت نوش کیا، یہاں اس کا مزار اور مسجد ہے[2]

حنبلی مذہب امت مسلمہ کے چار فقہی مذاہب میں سے چوتھے فقہی مذہب کے مقتدا و پیشوا مجتہد مستقل امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ بھی امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے شاگرد تھے امام موصوف نے امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ سے تین[3] قمطر (بورے) لکھے تھے، ان کا کبھی کبھی مطالعہ بھی کرتے تھے، چنانچہ مورخ خطیب بغدادی المتوفی ۴۶۳ھ تاریخ بغداد میں بسند متصل روایت کرتے ہیں:

"مجھ سے الصوری نے بیان کیا (وہ کہتے ہیں) مجھے عبدالغنی بن سعید نے بتایا کہ ہم سے ابو طاہر محمد بن احمد بن عبداللہ بن نصر نے کہا کہ مجھ سے عبداللہ نے بیان کیا کہ ان کے والد حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ سے علم کے تین[3] بورے لکھے تھے، میں نے ان سے پوچھا وہ ان میں غور

---

[1] مجموع فتاوی شیخ الاسلام ابن تیمیہ، ج ۲۰ ص ۳۲۷ [2] الانساب ج ۱ ص ۱۶۷ (از الاقریقی) [3] طبقات الفقہاء ص ۱۳۲ -

کرتے تھے فرمایا گاہ بگاہ ان کا مطالعہ کرتے تھے، زیادہ تر واقدی کی کتابیں پڑھتے تھے۔[1]

اس سے معلوم ہوا کہ امام محمدؒ کے جس طرح امام شافعیؒ شاگرد تھے، اسی طرح امام احمد بھی ان کے شاگردوں میں سے تھے جو ان کے لکھے ہوئے نوشتوں سے فائدہ اٹھاتے رہتے تھے، یہی وجہ ہے کہ فقہ میں ان کے مختلف اقوال میں کوئی ایک قول حنفیہ سے اکثر مطابقت رکھتا ہے۔

مذکورۂ بالا سند کے تمام مشہور و معروف راوی معتبر و ثقہ ہیں، اول الذکر دو راوی حافظ ہیں۔[2]

غرض امام احمد بن حنبلؒ نے بھی دقت نظر اور فقہی بصیرت کا ملکہ امام محمدؒ کی تصنیفات و تالیفات سے سیکھا چنانچہ امام ابراہیم بن اسحاق الحربی المتوفی ۲۸۵ھ کا بیان ہے:

"میں نے امام احمد بن حنبل سے پوچھا یہ دقیق مسائل آپ نے کہاں سے سیکھے؟ فرمایا محمد بن الحسن کی کتابوں کا فیضان ہے۔"[3]

اس زمانے میں فقہ حنفی کی عالمی قبولیت کا اندازہ امام سفیان بن عیینہ المتوفی ۱۹۸ھ کے اس قول سے کیا جاسکتا ہے وہ فرماتے تھے

"میرے گمان میں بھی نہ تھا کہ یہ دو چیزیں (۱) حمزہ کی قرات اور (۲) ابوحنیفہ کی رائے و فقہ کوفہ کا پل پار کر سکیں گی لیکن یہ تو ساری (اسلامی) دنیا میں پھیل گئیں اور مقبول ہوگئیں۔"[4]

یہ امام محمدؒ کی تدریسی و تصنیفی خدمات کا ناقابل فراموش ثمرہ و نتیجہ ہے جن کے اثرات شافعیؒ مالکیؒ اور حنبلی مذہب پر روز روشن کی طرح ظاہر و باہر ہیں اور اسلامی تاریخ کے صفحات آج بھی مذکورۂ بالا امور پر شاہد عدل ہیں۔

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

---

[1] تاریخ بغداد ج ۳ ص ۱۵ (ترجمہ محمد بن عمر الواقدی) [2] کتاب الکسب للامام محمد الشیبانی تحقیق عبد الفتاح ابوغدہ حلب مکتب المطبوعات الاسلامیہ ۱۴۱۷ھ اعداد الامام محمد دائرہ فی الفقہ الاسلامی ص ۳۳-۳۴ [3] الخطیب البغدادی ج ۲ ص ۱۷۷ [4] مناقب الامام ابی حنیفۃ ص ۲۰